فہرست

دیباچہ

سیرت نبوی مجلد دوم

اسلام کی امن کی زندگی

۹ھ، ۱۰ھ اور ۱۱ھ

قیام امن

بیرونی خطرات:

یہودیوں کی قوت::

تبلیغ و اشاعت اسلام

طفیل بن عمرو کا اسلام ::

عمرو بن عنبسہ کا اسلام ::

ضماد بن ثعلبہ کا اسلام ::

قبیلہ ازد کا اسلام ::

حضرت ابو ذرؓ کا اسلام ::

قبیلہ غفار کا اسلام ::

قبیلہ اسلم کا اسلام ::

اوس و خزرج کا اسلام ::

قیام مدینہ میں اشاعت اسلام ::

بدر کے بعض قریشیوں کا اسلام ::

جبیر بن مطعم کا اسلام ::

پیشین گوئی روم کا اثر ::

قبیلہ مزینہ کا اسلام ::

قبیلہ جہینہ کا اسلام ::

صلح حدیبیہ کا اثر ::

فتح مکہ کا اثر ::

یمن ::

نجران ::

بحرین میں اسلام ۸ھ ::

عمان میں اسلام ۸ھ ::

حدود شام میں اسلام ۹ھ ::

وفود عرب

مزینہ ::

بنو تمیم ::

بنو سعد ::

اشعریین ۷ھ ::

محمد اور پیروان محمد ﷺ سے)

دوس ۷ھ ::

بنو حارث بن کعب ۹ھ ::

قبیلہ طے ۹ھ ::

عدی بن حاتم ۹ھ ::

وفد ثقیف ::

وفد نجران ۹ھ ::

بنو اسد ۹ھ ::

بنو فزارہ ۹ھ ::

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

کندہ ۱۰ھ ::

عبدالقیس ::

بنو عامر ۹ھ ::

حمیر وغیرہ کی سفارت ::

تاسیس حکومت الٰہی

استخلاف فی الارض

انتظام ملکی ::

امیر العسکری ::

افتاء ::

فصل قضایا ::

توقیعات و فرامین ::

مہمان داری ::

عیادت مرضی ::

احتساب ::

اصلاح بین الناس ::

کتاب ::

حکام اور ولاۃ ::

محصلین زکوۃ و جزیہ ::

قضاۃ ::

جلاد ::

غیر قوموں سے معاہدہ ::

اصناف محاصل و مخارج ::

عقائد (۱) اور اسلام کے اصول اولین

عبادات

طہارت ::

تیمم ::

نماز ::

نماز عیدین اور جمعہ ::

صلوۃ خوف ::

روزہ ::

زکوٰہ ::

حج ::

حج کی اصلاحات ::

معاملات::

وراثت ::

وصیت ::

وقف ::

نکاح و طلاق ::

حدود و تعزیرات ::

حلال و حرام

ماکولات میں حلال و حرام ::

شراب کی حرمت ::

سود خواری کی حرمت ::

سال اخیر حجتہ الوداع اختتام فرض نبوت

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء

وفات

انک میت وانھم میتون (زمر)

ربیع الاول ۱۱ھ مطابق مئی ۶۳۳ء

تجہیز و تکفین ::

متروکات

زمین ::

جانور ::

لحیف:

اسلحہ ::

آثار متبرکہ ::

مسکن مبارک ::

دایہ ::

خدام خاص ::

شمائل

شکل و لباس و طعام و مذاق طبیعت

حلیہ اقدس ::

مہر نبوت ::

موئے مبارک ::

گفتگو اور خندہ و تبسم ::

لباس ::

چادر ::

عبا ::

کمبل ::

حلہ حمراء ::

انگوٹھی ::

خود و زرہ ::

غذا اور طریقہ طعام ::

مرغوب کھانے ::

پانی، دودھ، شربت ::

معمولات طعام ::

خوش لباسی ::

مرغوب رنگ ::

نامرغوب رنگ ::

خوشبو کا استعمال ::

لطافت اور نفاست پسندی ::

سواری کا شوق ::

اسپ دوانی ::

معمولات

صبح سے شام تک کے معمولات ::

خواب ::

عبادت شبانہ ::

معمولات نماز ::

معمولات خطبہ ::

معمولات سفر ::

معمولات جہاد ::

معمولات عیادت وعزا ::

معمولات ملاقات ::

معمولات عامہ ::

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

دیباچہ

سیرت نبوی مجلد دوم

سیرت نبوی مجلد اول ۱۳۳۶ء (۱۹۱۸ء) میں شائع ہوئی۔ اب مجلد دوم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے اوسط میں شائع ہوتی ہے۔ شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، لیکن شاید ان مشکلات کا ان کو علم نہیں جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا کر دی ہیں۔ گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہو گیا، لیکن بایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہیں ہوا اور اس خاتمہ جنگ سے زندگی کی مشکلات میں ذرا کمی نہیں ہوئی۔ جلد اول کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف میں چھپے گی، لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی۔ بڑی تلاش و جستجو سے مشین ہاتھ آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا۔ جلد اول میں جن اصناف کی کاغذ لگ چکے تھے ان کا ملنا دشوار ہو گیا۔ دیسی کاغذ کے ۲۰۰ رم بھی بیک وقت نہ مل سکے۔ یہ دقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائیٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی۔ لکھنؤ سے لے کر کلکتہ اور بمبئی کے کارخانے چھان مارے گئے۔ مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا۔ آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنا یہ جلد اختتام کو پہنچی۔

پہلی جلد نبوت کے پرآشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہے۔ نبوت کی بست و سہ سال زندگی میں پہلی جلد بیس سال کے کارناموں کا مجموعہ تھی اور جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے اور اس کے بعد اخلاق و شمائل شریفہ اور ازواج مطہرات و اولاد کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام

نظر آتی تھی لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔آخر کار مدت کے حیض بیض کے بعد میں نے طے کرلیا کہ ان کو لکھنا ہی چاہیئے ۔چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی اس کا عنوان یادداشت اخیر تھا۔ اس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہاء نہ رہی' جب میں یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا' مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا جس کو فرشتہ غیب نے ان کے دست وقلم سے میری تسلی کے لیئے پہلے ہی لکھوادیا تھا۔

ع

حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہیں پہنچایا تھا' بہت سے عنوانات سادہ تھے۔ بہت سے عنوانات کو شروع کرکے آئندہ اضافہ کے لیئے ناتمام بصورت بیاض چھوڑدیا تھا۔ جامع نے ان کو لکھ کر بطور تکملہ کتاب میں شامل کردیا۔ بہت سے ضروری حواشی بھی جابجا بڑھائے گئے ہیں چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے اور اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلالین کے اندر کردی گئی ہیں ۔تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مخلط نہ ہونے پائیں ۔

جامع

سید سلیمان ندوی

اسلام کی امن کی زندگی

۹ھ‘ ۱۰ھ اور ۱۱ھ

قیام امن‘ اشاعت اسلام‘ تاسیس خلافت‘ تکمیل شریعت‘

قیام امن

گزشتہ ابواب (۱)۔ پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اس وقت گو فطری صلاحیت واستعداد کی رو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا۔ یوں تو تمام جزیرۂ عرب ایک واحد **ملک** اور ایک متحد قوم تھا‘ تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی وقومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا‘ جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا‘ اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدا رئیس تھے‘ جنوبی عرب میں حمیری اذواء اور اقیال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ شمالی عرب میں بکر‘ تغلب شیبان‘ اذو‘ قصاعۂ کندہ‘ لخم‘ جذام‘ بنوحنیفہ‘ طے‘ اسد‘ ہوازن‘ غطفان‘ اوس‘ خزرج‘ ثقیف اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں‘ جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں‘ بکر وتغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا کندہ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے‘ اوس وخزرج لڑلڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے خاص حرم اور اشہر حرم میں بنوقیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا اور اس طرح تمام **ملک** معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔ پہاڑوں صحراؤں میں خودمختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے تمام **ملک** قتل و غارت‘ سفا کی‘ خونریزی کے خطرات میں گھرا تھا۔ تمام قبائل غیر مختتم سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام‘ ثار‘ اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی۔ **ملک** کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری

جگہ تک گزرنا محال تھا۔ حیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاس کے بازاروں میں بہ آسانی پہنچ سکتا تھا۔ شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے' بایں ہمہ لڑائیوں کے جواز کے لیئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیے جاتے تھے۔ ابو علی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

و ذالک لانهم کانوا یکرهون ان تتوالی علیهم
ثلاثهت اشهر لا تمکنهم الا غارهت فیها لان
معاشهم کان من الاغارهت (جلد ا ص ۲)

یہ اس لیئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تین مہینے متصل ان پر
غارت گری کے بغیر گزر جائیں' کیونکہ غارت گری ہی ان کا
ذریعہ معاش تھا۔

(۱)۔ پورا باب اضافہ از صفحہ ا تا ۱۰

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کے لیئے یہی موسم بہار تھا' مکہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے۔ جو حاجیوں کا اسباب چرانے میں بدنام (۱)۔ تھے۔ طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا' لیکن وزدان طے بھی اپنی شہرت میں ان سے کم نہ (۲)۔ تھے۔ سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا عرب کے مشہور شاعر تھے' لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پرفخر کارنامے تھے۔ ملک میں اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقت ور قبیلہ تھا۔ ۵ھ تک مصری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں حجاز کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ (۳)۔ فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں سکون شروع ہو چکا تھا۔ مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے (۴)۔ تھے۔ ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لیئے جاتے تھے۔ (۵)۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دارالاسلام کے چراگاہوں میں بھی

چھاپے مارے (۶)۔ جاتے تھے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کو ملک کے امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب حیرہ سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور خدا کے سوا کسی کا خوف نہ (۷)۔ ہوگا تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ۹ھ میں ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے (۸)۔ گا" اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی جہاں لوگوں کو اطمینان میسر آسکتا تھا خدا نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے۔

فلیعبدوا رب ھذا البیت الذی اطعمھم من جوع
وامنھم من خوف ط (ایلاف)

انکو چاہیئے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوجیں جس نے انکو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کرکے انکو امن بخشا۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری ذکر اسلم و غفار۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الایمان۔ (٤)۔ ابوداؤد کتاب الادب بال الحذر۔ (۵)۔ طبقات ابن سعد جزو مغازی ص ٦٣، ٦٤، ٦٥ (٦)۔ دیکھو غزوہ سویق و غزویہ غابہ۔ (۷)۔ صحیح بخاری باب علامات النبوہ۔ (۸)۔ بخاری ص ۱۹۰

اولم یروا انا جعلنا حرما امنا ویتخطف الناس من
حولھم ط (عنکبوت)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیئے
بنایا اس کے باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں
طرف سے آدمی اچک لیئے جاتے ہیں۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے امان میں

لے کرصرف اتنا موقعہ دلا دو کہ خدا کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ تمام مسلمان عرب کی فضاء میں سانس تک نہیں لے سکتے تھے تلاش کے لیئے افریقہ وحبش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے جو عرب میں رہ گئے تھے وہ ہدف مظالم گوناگوں تھے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی اس حالت کا ذکر ان آیتوں میں کرتا ہے۔

واذکروآ اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس (انفال ۲۶)

یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے اور کمزور تھے' ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

اسی ملکی شورش اور بدامنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدبیر کے کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی' اس کے لیئے تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی' لیکن ایک طرف تو دشمن پر حملہ کرتے چلے آتے تھے اور دوسری طرف ہر جگہ وعاۃ اسلام کی جانیں معرض خطر میں رہتی تھیں۔ تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا دارومدار تھا غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزوات نبوی ﷺ کے اسباب و انواع میں گزر چکے ہیں۔

بیرونی خطرات:

بہر حال یہ تو ملک کے اندرونی حالت تھی۔ بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے ملک کے تمام سرسبز و زرخیز صوبے روم وفارس دو عظیم الیشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے۔ تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن' عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور ان کے زیر اقتدار برائے نام عرب روٴسا حکمران تھے۔ حدود عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندرون ملک میں بھی پیش قدمی شروع کردی تھی۔ حجاز میں اسلام

کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے' چنانچہ ۶ھ میں شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا کہ "میرے غلام کو جو حجاز میں مدعی نبوت بنا ہے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔"

رومیوں نے حدود شام میں قبضہ کر لیا تھا آل غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤسا نے جنہوں نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا ان کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ ۸ھ کے بعد رومی ان عیسائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے جس کا ظہور واقعہ تبوک اور موتہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

یہودیوں کی قوت::

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی اور وہ مجبوراً حدود شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے اور اپنے لیئے مدینہ سے شام تک متصل قلعے قائم کر لیئے تھے یہ مقامات ان کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی قریظہ' قینقاع (۱)۔ خیبر' فدک' تیماء وادی (۲)۔ القریٰ وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ قرآن مجید میں

(۱)۔ معجم البلدان یاقوت میں ان مقامات کے حالات پڑھو۔ (۲)۔ کتب مغازی و سیر میں ان کے حالات (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنہت او من ورآء جدر۔ (حشر)

وہ قلعہ بند آبادیوں میں یا دھس کے نیچے چھپے بغیر یوں مل کر مقابلہ نہیں کر سکتے۔

وانزل الذین ظاھرھم اھل الکتاب من صیاصیھم (احزاب)

خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے ان کی مدد کی تھی' ان کے قلعوں سے اتارا۔

زمانہ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ میں ان کو جس طرح ملک کی پالٹیکس کو خطرناک عنصر بنا دیا تھا۔ عینہ یہی حال ان کا عرب میں بھی تھا۔ ان چند قلعوں کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعدد لڑائیاں صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑیں۔ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو بہ فخر کہتے ہیں۔ ''بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جانیں؟ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں میں مقابلہ پڑے تو معلوم ہو۔''

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیئے عام انسانی دست و بازو بے کار تھے۔ خدا کا غیر مرئی ہاتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آستین میں پوشیدہ تھا۔ و مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششوں اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔ عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نااتفاقی اور باہمی جنگ و جدال میں مضمر تھا اور اس نااتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا۔ تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لیئے ان میں کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیئے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔ انما المومنون اخوہت (حجرات) اور دفعتاً اس روحانی رشتہ نے خون' قرابت اور نسل کے تاروپود ادھیڑ دیے اور صرف ایک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی برقی رو اب تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے خدائے پاک نے قرآن مجید میں اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا:

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعدآء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا (آل عمران)

خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے' خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اس کے لطف و محبت سے بھائی بھائی بن گئے۔

خدا نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محمد ﷺ یہ تیرا کام نہ تھا۔ اس میں خود خداوند مقلب القلوب کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔

هو الذی ایدك بنصره و بالمؤمنین و الف بین قلوبهم ط لو انفقت ما فی الارض جمیعا ماالفت بین قلوبهم ولکن الله الف بینهم انه

وہ خدا ہی ہے جس نے محمد! اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعہ سے تجھ کو قوت بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیے اگر تمام دنیا کے خزانے بھی لوٹا دیتے تو بھی

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) دیکھو بخاری میں ابواب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج۔

عزیز حکیم (انفال - ۸)

ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیے وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو مواخاہ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔ قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل انسانی قرار دیا اور اس فعل کے مرتکب کے لیئے سخت سزائیں مقرر کیں' چوری کے لیئے قطع ید کی سزا متعین کی' رہزنی کے لیئے قتل' پھانسی' قطع ید اور جلاوطنی کی تعزیریں جاری کیں۔ سورہ مائدہ میں خونریزی اور قتل و سفاکی کے انسداد کے لیئے قصاص کا قانون نازل ہوا عملاً ملک میں قیام امن کے

لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بار فوجیں بھیجیں، رہزن قبائل پر چھاپے مارے (۱)۔۔ حجاز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے (۲)۔ فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلے کے لیئے قوانین وضع ہوئے اور جابجا عمال کا تقرر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسانوں کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک متقنن اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے۔ اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون وخوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام مجمعوں میں جرائم سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کر دیا جو رات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور مقفل دروازوں کی کھڑکیوں سے بھی جھانکتا تھا اور اب تک تمام ملک میں امن وامان تھا اور یہ عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق لوگ صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتے تھے اور خشیتہ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ (۳)۔ تھا۔ ایک یورپین مؤرخ نے جس کے قلم نے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدح کے لیئے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

''محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطاء کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔ (۴)۔''

بیرونی خطرات کے انسداد کے لیئے خدا نے عجیب وغریب سامان پیدا کر دیئے۔ قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور ہو گئے۔ ۳ھ سے لے کر ۷ھ تک

---

(۱)۔ دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔ (۲)۔ صحیح بخاری ذکر غفاری و اسلم۔ (۳)۔ صحیح بخاری۔ (٤)۔ لائف آف محمدؐمارگولیوس ص ٤٧١۔

متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخر فتح خیبر پر ان کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا' رومیوں نے حدود شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا بیڑہ اٹھایا۔ عیسائی روسائے عرب میں سب سے زیادہ طاقتور اور پرزور غسانی تھے۔ جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے تھے۔ بہرا' وائل' بکر' لخم' جذام اور عاملہ وغیرہ ہا عرب قبائل ان کے ماتحت تھے ان کے علاوہ دومتہ الجندل' ایلہ' جربا' اذرح' تبالہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے۔ غسانیوں کے حملہ کی ابتداء جس طرح ہوئی وہ اوپر گزر چکا ہے' حارثؓ بن عمیرہ جو شاہ بصرٰی کے دربار میں دعوت اسلام کا خط لے کر گئے تھے ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ تادیب وانتقام کے لیئے روانہ فرمایا۔ غسانی ایک لاکھ کا ٹڈی دل لے کر میدان میں آئے' اور خبر تھی کہ رومی بھی اس قدر فوج لیئے ہوئے موتہ کے قریب مواب میں پڑے ہیں۔ تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے۔ اس جنگ کا نام غزوۂ موتہ ہے۔

اس کے بعد ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ دم بدم خبریں آتی رہتی تھیں کہ رومی حملہ آوری کے لیئے عیسائی عربوں کی ایک فوج گراں ترتیب دے رہے ہیں اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعلبندی بھی کر رہے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی

تبلیغ واشاعت اسلام

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلی کام تمام عالم میں دعوت اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقہ اسلام میں لانا تھا' اس کے لئے تیغ و خنجر اور فوج وعسکر کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوت حق کی صدا اطراف عالم میں پہنچ جائے' لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدائے اسلام اسی کے سدراہ رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع دلا دو اور خود دو' لیکن قریش کے اثر سے ہزاروں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ تاہم آفتاب حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطح قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف وحوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔

اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدائے اسلام نے انجام دیا جب حج کا زمانہ آتا تو روسائے قریش عام گزرگاہوں پر خیمے لگاتے باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے اور چونکہ بعثت نبوی ﷺ کا چرچا پھیل چکا تھا' لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لئے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے' یہاں تک کہ لات وعزیٰ تک کو برا کہتا ہے۔

بدعقیدہ کو عربی میں ''صابی'' کہتے ہیں' اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً نماز کی صورت' صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہیں۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ ﷺ کا نام مشہور (۱)۔ ہوگیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والوں سے سنا کرتا تھا کہ مکہ

میں ایک مدعی نبوت پیدا ہوا (۲)۔ ہے ۔ ملک میں جب آپ ﷺ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کیا، لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہوسکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہوگئی تھی جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کے متجسس تھے ۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جن کا تذکرہ آغاز کتاب میں گزر چکا ہے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں متعدد ایسے صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت ﷺ کی تحقیق حال کے لئے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان میں جو اسلام پھیلا اس کی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی ۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب التیم۔ (۲)۔ کتاب المغازی ص ۶۱۵
(۳)۔ اضافہ تا قصیہ ابوذرؓ

طفیل بن عمرو کا اسلام ::

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا اور چونکہ عرب میں شعراء کا اثر بہت تھا یعنی وہ قبیلہ کو جدھر چاہتے تھے ادھر کر دیتے تھے اس لئے قریش نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ پہنچنے پائے لیکن ایک دفعہ جب اس نے اتفاقیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید پڑھتے سنا تو وہ فورًا مسلمان ہوگیا (۱)۔ اور اس کے زمانہ میں قبیلہ دوس میں بھی اسلام پھیلنے (۲)۔ لگا۔ تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی ۔ وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ! دوس نے نافرمانی کی ان پر بددعا کیجئے ۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ خدایا دوس کو ہدایت دے اور ان کو

کیا۔عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے آپ ﷺ نے پھر اعادہ فرمایا۔ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا۔اب وہ بالکل مسحور تھے۔بولے کہ میں نے کاہنوں کی باتیں' جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن ایسا کلام نہیں سنا۔یہ تو دریا کی تہہ تک میں بھی اتر کر جائے گالایئے ہاتھ میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔آپ نے ان سے بیعت لی۔

---

(۱)۔زرقانی۔ (۲)۔صحیح مسلم کتاب ایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔ (۳)۔صحیح بخاری باب قصہ دوس۔ (۴)۔صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوہ فیہا۔ (۵)۔صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ۔

قبیلہ ازد کا اسلام ::

پھر فرمایا' اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو۔چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہوگیا۔ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کہ کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہے۔ایک سپاہی نے کہا ایک لوٹا میرے پاس ہے اس نے حکم دیا کہ واپس کردو۔

حضرت ابوذرؓ کا اسلام ::

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستہ میں آباد تھا' جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے' انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص جو نبوت کا دعوی کرتا ہے۔اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر سے جواب سے تسکین نہیں ہوئی' خود گئے' زادسفر کے لئے مشک میں پانی

اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ مکہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پوچھ نہیں سکے تھے۔ حرم میں حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ "یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و اقرار لے لیا کہ کسی پر راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ حضرت علیؓ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے اور آپ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کہلا بھیجوں اس کی تعمیل کرنا' لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا۔ عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد ارسول اللہ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عباسؓ نے آکر بچایا اور لوگوں سے کہا۔ تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہیں۔ اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا' لیکن دوسرے دن حضرت ابو ذرؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا۔ آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آ گئے اور انہوں نے جان بچائی۔ (۱)۔

قبیلہ غفار کا اسلام ::

حضرت ابو ذرؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں آ جائیں۔ چنانچہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔ (۲)۔

(۱)۔ یہ روایت بتمامہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے' صحیح مسلم میں یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد ہیں مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح

الباری میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ (۲)۔صحیح مسلم اسلام ابی ذر۔

قبیلہ اسلم کا اسلام ::

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔(۱)۔(حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شنیع کا دشمن ہے۔)

اوس وخزرج کا اسلام ::

موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔آپ ﷺ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے۔چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس وخزرج کی متعدبہ جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔

قیام مدینہ میں اشاعت اسلام ::

اس کے بعد جب حضرت مصعب ؓ بن عمیر داعئ اسلام بنا کر مدینہ منورہ بھیجے گئے تو ان کے فیض تلقین سے چند ہی مہینوں میں دو گھرانوں کے سوا بقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا غفار واسلم نے اسلام قبول کرلیا۔

بدر کے بعض قریشیوں کا اسلام ::

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور سات اشخاص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمدورفت شروع کی اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کا اثر اگر چہ تمام عرب پر محیط نہ تھا' کیونکہ اس معاہدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے اس لئے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے' وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں

(۱)۔ جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود جز اول قسم ثانی صفحہ ۳۸۔ (۲)۔ جز طبقات ابن سعد مذکور صفحہ ۴۸۔ (۳)۔ اصابہ تذکرہ بشیر بن غرفطہ۔ (۴)۔ صحیح بخاری ج اول ذکر غفار و اسلم و جہینہ۔ (۵)۔ طبری میں امام زہری کا قول ہے۔

فلما کانت الهدنہت و ضعت الحرب اوزارها و امن الناس کلهم بعضهم بعضا فالتقوا و تفاوضوا فی الحدیث والمنازعہت فلویکلم احد بالاسلام یعقل شیئا الا دخل فیه فلقد دخل فی تینك السنین فی الاسلام مثل ما کان فی الاسلاسم واکثر (صفحہ ۱۵۵۱)

جب صلح ہوگئی اور جنگ موقوف ہوگئی' ایک دوسرے سے لوگ بے خوف ہوگئے' باہم ملے جلے' باتیں چیتیں ہوئیں تو کوئی عقلمند ایسا نہیں تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی اور اس نے قبول نہ کرلیا چنانچہ جتنے لوگ ابتداء سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہوگئے۔

کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں۔ تاہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا۔ وہاں داعیان اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی اس

لئے ارباب سیران تبلیغی جماعتوں کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہیں۔

فتح مکہ کا اثر ::

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے۔عمروؓ بن سلمہ ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گزرگاہ عام پر رہتے تھے ان کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں منقول ہیں۔

کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو بنی صادق فلما کانت وقعت اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم۔ (۱)۔

عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر غالب آ گئے تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے:

وانما کانت العرب تربص بالاسلام امر ھذالحی من قریش وامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ذلک ان قریشا کانوا امام الناس وھادیھم اھل البیت والحرم وضریح ولد اسمعیل بن ابراھیم علیھا السلام وقادہ العرب او ینکرون ذلک و کانت قریش ھی التی نصبت الحرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلافہ فلما افتتحت مکہت ودانت لہ

قریش و دخلها الاسلام عرفت العرب انه لا طاقۃ لھم بحرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عداوۃ تدخلوا فی دین اللہ کما قال اللہ عزوجل۔ الخ

اورعرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا اظہار کررہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا اور کعبہ و حرم کے متولی اورحضرت اسماعیل کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اورصرف قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام مکہ میں چھا گیا تو عرب کو یقین ہوگیا کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگ اورعداوت کی طاقت نہیں تو وہ خدا کے دین میں داخل ہوگئے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے۔

یعنی اذا جاء نصر اللہ والفتح

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی اور عرب کی تیزفہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے میں جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی۔ اب جبکہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دیر نہ تھی۔

(۱)۔ صحیح بخاری فتح مکہ۔ (۲)۔ سیرت ابن ہشام ذکر واقعات ۹ھ و فرد ۱۲۔

فتح مکہ کے بعد اب دعوت اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کردیے جائیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیئے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل ومحاسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں۔ دعاۃ حسب ذیل مقرر کئے گئے۔

(ا) حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کر دی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچا نے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکیں۔ حضرت خالدؓ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کر دی' لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے۔ حضرت خالدؓ سپہ سالار اور فاتح تھے' واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعتاً ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعاۃ ہیں جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث فیھا حول مکہ السرایا تدعوا الی اللہ عزو جل ولم یامرھم لقتال۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے اطراف میں کچھ ٹکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں' لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

حضرت خالدؓ کو قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا خدایا! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔ پھر حضرت علیؓ کو بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا۔ یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

اشاعت اسلام کی غرض سے جو مسلح جماعت اطراف ملک میں بھیجی جاتی تھی' اس میں کبھی کبھی آپ ﷺ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے' ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے چنانچہ آپ نے ایک

خالد بن سعید	صنعاء یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش میں ہیں سب سے پہلے انہی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔
عدیؓ بن حاتم	قبیلہ طے (یمن)	مشہور صحابی ہیں۔ حاتم طائی انہی کا باپ تھا۔
علاءؓ بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	زبید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہوگئے۔ مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذؓ بن جبل	جند	

جریر بن عبداللہ بجلی	ذوالکاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لاکھ آدمیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ جریرؓ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کیے۔

(۳) بعض لوگ خاص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے تفحص سے اس قسم کی دعاۃ کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام	مقام دعوت
علیؓ بن ابی طالب	قبیلہ ہمدان وجذیمہ ومذحج
خالد بن ولید	اطراف مکہ
مغیرہؓ بن شعبہ	نجران
عمروؓ بن العاص	عمان
وبرؓ بن تحیس	ابنائے فارس
مہاجر بن ابوامیہ	بطرف حارث بن عبدکلال
محیصہؓ بن مسعود	فدک
	شہزادۂ یمن
احنف	قبیلہ سلیم مندرج ۵ صفحہ ۳۷۲

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.

(۴) رؤسائے قبائل بارگاہ نبوت میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے۔ ان اشخاص کے نام یہ ہیں۔

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلہ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

(۱)۔ اضافہ ذکر اسلام ابنائے یمن

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے' دعاۃ اطراف مکہ میں بھیج دیے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین افواجا۔

جب خدا کی فتح ونصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلان براءت ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بلا استثنا حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کرلیا۔(۱)۔

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس برس میں صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام

آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان ادھر ادھر نظر آتے تھے' لیکن ان دیواروں کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس میں ۸'۹' ۱۰ میں اسلام کا اثر ایک طرف یمن' بحرین' یمامہ' عمان اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہو گیا۔ یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں' تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح و امن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشہ سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن ::

ملک عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانے سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں ولادت نبوی سے تقریبا پچاس برس پہلے ۵۲۵ء میں حبشی عیسائیوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادت نبوی کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا۔ یمن میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے' مثلاً اختلاف جنسیت کہ اہل یمن قحطانی تھے' داعی اسلام اسماعیلی' اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عرب فرمانروا سمجھ کر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ اور ہم ہم خاندان نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں' نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔ (۲)۔

یمن میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہوسکتا تھا کہ وہ پولیٹیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھے اور باشندے مذہباً علی العموم یہودی یا عیسائی تھے‘لیکن قبول حق کے لئے کوئی چیز ان میں سے مانع نہ آئی یمن میں اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی ۔یمن میں دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا۔اس قبیلہ کا رئیس طفیلؓ بن

(۱)۔ طبری واقعات ۹ھ (۲)۔ ابن حنبل حدیث اشعث بن قیس وزاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۲۳ مصر۔

عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی‘لیکن انہوں نے انکار کیا۔(۱)۔ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے۔ دوس کا قبیلہ مسلمان ہوکر دارالاسلام میں منتقل ہوگیا یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا‘وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت میں اسی زمانہ میں بلاتحریک خودبخود اسلام لایا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوا۔ابو ہریرہؓ دوسی اور ابوموسی اشعریؓ ان ہی قبائل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (۸ھ کے آخر میں) ان کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔خالدؓ چھ مہینے تک ان کو اسلام کی دعوت دیتے رہے‘لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد کو بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جمع کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا: السلام علی (۲)۔ ھمدان۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس

کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نور اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔

یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے۔ ربیع الاول ۱۰ھ میں تین سو سواروں کی حفاظت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش دستی نہ کرنا۔ حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین میں پہنچے تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثناء میں قبیلہ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی۔ حضرت علیؓ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی' لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف آرائی کی۔ مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا ان کا مقصود صرف مدافعت تھا۔ اس کے بعد روسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور

(۱)۔ ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل۔ (۲)۔ زرقانی بہ سند صحیح از بیہقی (اصل واقعہ بخاری جز غزوات میں موجود ہے' لیکن ہمدان کی اس میں تخصیص نہیں اور نہ ان کے اسلام کا اس میں ذکر ہے) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں' چنانچہ وہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے۔ ان روایتوں کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ راویوں کا حسن ظن ہے واقعہ نہیں (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کریں اور ان پر غارت گری کیا کریں لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے' ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے

پاس طائف میں تھے‘ یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلوں کو دیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتاً اسلام کا اعلان (۱)۔ کیا۔

یمن میں فارس کے جو رؤسا قیام پذیر ہو گئے تھے۔ ان کو انباء کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں وبرؓ بن نخلیس کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر ان کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلمی‘ مرکبوذ وہب ابن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے‘ سب نے اسلام قبول کیا۔ صنعا میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب بن منبہ تھے۔ (۲)۔)

(عام یمن (۳)۔ میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذؓ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا۔ دونوں صاحب یمن کے ایک ضلع میں بھیجے گئے تھے۔ چلتے وقت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا‘ سہولت سے کام کرنا‘ سخت گیری نہ کرنا‘ لوگوں کو خوشخبری سنانا‘ نضرت نہ دلانا‘ دونوں مل کر کام کرنا‘ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں جب ان کے ہاں پہنچنا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی (دعوت دینا) جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے‘ جب یہ مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوۃ بھی واجب ہے۔ تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی۔ دیکھو جب وہ زکوۃ دینا منظور کر لیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا‘ مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پوچھا یا نبی اللہ! ہمارے **ملک** یمن میں جو اور شہد کی شراب بنتی ہے‘ کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔ (۴)۔)

نجران ::

''یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے' نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغیرہؓ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۷ھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے' دعوت اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے (۵)۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کا ان کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔ ''اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو (۶)۔'' اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا۔ اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

نصاری کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی' ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لئے عبدالمدان کے نام سے مشہور تھا۔ ربیع الآخر ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو وہاں دعوت اسلام کے لئے بھیجا' حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالدؓ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔(۷)۔

---

(۱)۔ حضرت علیؓ کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ثقیل ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہے۔ (۲)۔ طبری صفحہ ۱۷۶۳ (۳)۔ اضافہ تا بحرین۔ (۴)۔ یہ پورا واقعہ بخاری جزو غزوات میں مذکور ہے۔ ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یکجا کر لیا ہے۔ (۵)۔ ترمذی تفسیر سورہ مریم۔ (۶)۔ زرقانی بحوالہ بیہقی۔ (۷)۔ زرقانی جلد ۳ ص ۱۱۹

اہل یمن کا بغیر کسی ترہیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمت الٰہی کا مستوجب نہ ہو۔ جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ کل اہل یمن آئے ہیں جو رقیق القلب اور نرم دل ہیں ۔(۱)۔ جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ان کو سلامتی کی دعا دی ۔ حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے پہلے کی طرف خطاب کیا ۔ تمیم بشارت قبول کرو۔ بنو تمیم نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے بشارت تو قبول کر لی ۔ کچھ عطا بھی فرمایئے آپ نے منہ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی تھی ۔ پھر اہل یمن کی طرف رخ کر کے فرمایا اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی تم قبول کر لو۔ اہل یمن نے بے اختیار بول اٹھے ۔ اے خدا کے رسول! ہم نے قبول کیا (۳)۔ پھر آپ ﷺ نے عام طور سے فرمایا۔ ایمان یمن کا ایمان ہے اور دانائی یمن کی دانائی ہے ۔ مبلغین یمن میں سے حضرت علیؓ اور ابو موسیٰ حجتہ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نو مسلم بھی حج و زیارت کو آئے ۔

بحرین میں اسلام ۸ ھ ::

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا' عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور باثر خاندان عبدالقیس' بکر بن وائل اور تمیم تھے ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لئے نکلے' راہ میں مدینہ پڑتا تھا وہاں ٹھہرے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فاتحہ اور اقراء سیکھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا' وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا' لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی ۔ انہوں نے منقذ سے دریافت کیا۔ بحث و مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک لوگوں کو

سنایا۔ سب نے اسلام قبول کرلیا۔(۴)۔

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنخضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجی۔ جس کے افسر منذر بن الحارث تھے' ان کا قافلہ کاشانہ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریوں سے کود پڑے اور آنخضرت ﷺ کے ہاتھ چومے لیکن منذر کو پاس ادب ملحوظ تھا۔ انہوں نے قیام گاہ پر جا کر کپڑے بدلے۔ پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔(۵)۔

---

(۱)۔ بخاری قدوم الاشعرمین اهل الیمن۔ (۲)۔ زرقانی بحواله بهیقی۔ (۳)۔ بخاری کتاب بداء الخلق و قدوم الاشعر یمین۔ (٤)۔ زرقانی بحواله کرمانی قبیله عبدالقیس کی ایك سفارت کا ذکر صحیح بخاری یں هے اور وه اس زمانے کے بعد کی هے۔ بخاری کی روایت سے بهی اس قدر ثابت هوتا هے۔ عبدالقیس اس سفارت سے پهلے ایمان لا چکے تهے۔ اصابه میں ابن شاهین سے جو روایت هے وه گو زرقانی کی روایت سے مختلف هے اور رئیس سفارت کے نام میں اختلاف هے تاهم اس قدر روایتوں سے ثابت هوتا هے که پهلی سفارت ٦ ھ سے پهلے کی هے۔ (٥)۔ زرقانی به روایت بهیقی به سند جیدر۔

۸ھ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاء حضرمیؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا۔ اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔(۱)۔

بحرین کے علاقہ میں "ہجر" ایک مقام ہے یہاں ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔(۲)۔

عمان۔ (٤)۔ ابن ہشام اسلام فروہؓ کرو فرد۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

وفودِعرب

جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاہ نبوت میں جا کر اسلام کا اعلان کرنا چاہا ارباب سیر ''وفود'' کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ابن سعد میں ستر وفود کا تذکرہ ہے۔ دمیاطی' مغلطائی' زین' عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں' لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصاء کیا ہے اور ایک سو چار وفود کے نام بہم پہنچائے ہیں۔تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے۔)

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا۔اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے۔اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے' لیکن خیبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلاح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آنی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا' بنوتمیم' بنوسعد' بنوحنیفہ' بنواسد' کندہ' سلاطین حمیر' ہمدان' ازد اور طے تھے' ان تمام قبائل کی سفارتیں' دربار نبوت میں آئیں' ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بحیثیت فاتح کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقہ میں آ

جائیں۔ یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ‘ ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے‘ لیکن تسلسل بیان کے لیئے اس سے پہلے کے چند وفود کا تذکرہ کرنا بھی موزوں ہو گا۔

مزینہ ::

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مصر تک پہنچ کر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے‘ نعمانؓ بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے اسی قبیلہ سے تھے‘ اصفہان انہی نے فتح کیا تھا‘ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار سو شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرتﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے عراقی نے سیرہ منظوم میں لکھا ہے:

اول وفد وفد المدینہت سنہت خمس وفدوا مزینہ

سب سے پہلا وفد جو مدینہ میں آیا وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ھ میں آیا

---

(۱)۔ اصابہ فی احوال الصحابہ (ترجمہ نعمان بن مقرن و ابن سعد جزو فود صفحہ ۳۸)

بنو تمیم ::

بنو تمیم کے وفود بڑی شان وشوکت سے آئے‘ قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسا مثلؑ اقرع بن حابس زبرقان‘ عمرو بن الاہتم‘ نعیم بن یزید سب اس سفارت میں شامل تھے‘ عینیہ بن حصص فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا‘ وہ بھی ساتھ تھا۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے‘ تاہم عربی فخر وغرور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا۔ دربار نبوت یعنی مسجد نبویﷺ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانۂ اقدس پر جا کر پکارے کہ محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم اس لیئے آتے ہیں کہ تم سے مفاخرہ

کریں۔ آپ ﷺ نے اجازت دی۔ عطارد ابن حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیرواں کے دربار سے حسن تقریر کے صلہ میں کمخواب (۱)۔ کا خلعت حاصل کیا تھا۔ اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پر زور تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا۔

''خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج وتخت خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز تر ہیں۔ ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے۔ ہماری ہمسری کا جس کو دعویٰ ہو وہ یہ خصائص اور اوصاف گنائے جو ہم نے گنائے ہیں۔''

عطارد خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جو تقریر کی اس کا ماحصل یہ تھا۔

''اسکی تعریف جس نے زمین وآسمان بنائے اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب' سب سے زیادہ راست گفتار' سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا اسلیئے خدا نے اس پر کتاب نازل کی' اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مہاجرین اور اسکے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں۔''

تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی' سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان ابن بدر نے قصیدہ (۲)۔ پڑھا۔

نحن الکرام فلا حی تعادلنا

منا الملوک و فینا تنصب البیع

روایتوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آ کر خطبہ دیا تو اس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان من البیان لسحرا یعنی بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔ اصابہ

وسلم کے دربار میں آئے اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی اصلی ادائیگی اور آزادروی کا اندازہ ہوسکتا ہے صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے:

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے ایک شخص ناقہ پرسوار آیا اور صحن مسجد میں آ کر ناقہ سے اترا پھر حاضرین سے پوچھا ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس کا نام ہے؟'' لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے کہا ''یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے۔'' پاس آ کر کہا۔ اے عبدالمطلب کے بیٹے۔ آپ نے فرمایا ''میں جواب دے چکا۔'' بولا کہ۔ میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن سختی سے پوچھوں گا اس پر ناراض نہ ہونا۔'' ارشاد ہوا کہ جو پوچھنا ہو پوچھو۔ بولا کہ اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو' کیا خدا نے تم کو دنیا کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے_ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں!'' پھر قسم دلا کر پوچھا کہ کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟ اسی طرح زکوۃ' روزہ' حج کی نسبت پوچھا' اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر ہاں فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سن لیئے تو کہا کہ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے۔ میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔ وہ جا چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح (۱)۔ پائی۔''

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا کیا کہتے ہو؟ تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا۔ خدا کی قسم! وہ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر' میں تو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد و بچے سب مسلمان تھے۔(۲)۔۔

---

(۱)۔ یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں منقول ہے۔

(۲)۔ ابن ہشام۔

اشعریین کے وفد ::

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اسی قبیلہ سے ہیں ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن شخصوں نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا' اسی قافلہ میں حضرت ابوموسی اشعریؓ بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے' لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش میں پہنچا دیا۔ وہاں جعفر طیارؓ موجود تھے۔ وہ اپنے ساتھ لے کر عرب روانہ ہوئے اس زمانے میں خیبر فتح ہو چکا تھا' اور آنحضرت ﷺ یہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے یہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں مسند احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے

غدا تلقی الاحبہت

محمداوحزبہ

(کل ہم دوستوں سے ملیں گے

محمد اور پیروان محمد ﷺ سے)

(بارگاہ نبوت میں پہنچے تو عرض کی یا رسول ﷺ اللہ! ہم اس لیئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سکھیں اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا' اس کا تخت پانی پر تھا۔" (۱)۔

دوس کے وفد ::

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہیں۔اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے' اور ہجرت سے پہلے مکہ گئے۔قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائیں لیکن اتفاق سے ایک دفعہ یہ حرم میں گئے' آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔قرآن مجید سن کر متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ ﷺ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں۔آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن کی آیتیں سنائیں۔وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے'وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی' لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا۔لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے' اس لیئے لوگوں نے تامل کیا۔طفیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ حقیقت بیان کی آپ نے دعا فرمائی ''خدایا! دوس کو ہدایت دے۔'' پھر طفیل کی ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔(۲)۔

بنو حارث بن کعب ۹ھ ::

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیئے بھیجا۔یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ بلا بھیجا۔چنانچہ قیس ابن الحصین و یزید بن عبدالمدان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے۔آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے غلبہ کے اسباب کیا تھے' بولے ہم ہمیشہ متفق ہو کر لڑتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے آپ ﷺ نے قیس کو ان کا رئیس مقرر کیا۔(۳)۔

---

(۱)۔صحیح بخاری باب بدا الخلق۔ (۲)۔اصابہ اور زاد المعادا اور ابن سعد جزد وفود۔ (۳)۔اصابہ و زاد المعاد۔

چمڑے کا ایک گدا تھا۔ اسی کو عدی کی طرف بڑھایا۔ یہ اصرار کے بعد اس پر بیٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے پھر فرمایا کہ یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔ (۳)۔

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ ردہ کے زمانے میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا باپ کی سخاوت کا اثر ان پر بھی تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سو روپے طلب کیئے۔ بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اس قدر حقیر رقم مانگتے ہو۔ بخدا ہرگز نہ دوں گا۔ (۴)۔

وفد ثقیف ::

(یاد ہو گا) جب آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہؓ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں۔ آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہ تھی:

اللھم اھدثقیفا وائت بھم

اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج۔

(یہ دعائے نبوی کا اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہو سکا تھا۔ دفعتًا جلال نبوت نے اس کی گردن آستانہ اسلام پر جھکا دی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔)

---

(۱)۔ اصابہ و زادالمعاد۔ (۲)۔ ابن ھشام اسلام عدیؓ بن حاتم۔
(۳)۔ مسند امام احمد حدیث عدی، ترمذی تفسیر فاتحہ۔ (٤)۔ اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی۔

طائف دو رئیسوں کے قبضہ میں تھا جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے جن کی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام مکہ اترتا تو ان پر اترتا۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے حدیبیہ کی صلح بھی انہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو

اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لا کر واپس گئے۔ واپس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اپنے بالاخانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں ان ہی کے پہلو میں ہی دفن کیئے جائیں۔

عروہ کا خون رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ اصخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ ﷺ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ اصخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت ﷺ کی اطاعت نہ قبول کر لیں گے میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی، اصخر نے خدمت نبوی ﷺ میں اطلاع کی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لئے دس بار دعا فرمائی (۱)۔۔ چند روز کے بعد اہل طائف نے مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لا چکا۔ اب اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہؓ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جا کر خبر کریں۔ راہ میں حضرت ابوبکرؓ مل گئے۔ ان کو معلوم ہوا تو مغیرہؓ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔ مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالائے۔

عبد یالیل طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محویت و استغراق کو دیکھ کر متاثر ہو (۲)۔) یہ لوگ صحن مسجد میں خیمہ نصب کرا کر ٹھہرائے گئے۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے۔ گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔ کہ خطبہ میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ "میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ فرستادہ الٰہی ہوں۔"

جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے۔ سفراء اور دربار نبوی ﷺ میں آتے تو ان کو بچہ سمجھ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گو کم سن تھے' لیکن سب سے زیادہ تیز اور فہم اور مائل تحقیق تھے ان کا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر

---

(۱)۔ ابوداؤد باب اقطاع الارضین۔ (۲)۔ ابوداؤد باب ما جاء فی خبر الطائف۔

ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے یہاں تک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے باتیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جو اذیتیں اٹھائی تھیں۔ ان کو بیان فرماتے۔ مدینہ میں جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے (۱)۔) بالا ان لوگوں نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطیں پیش کیں۔

ا۔ زناء ہمارے لیئے جائز رکھا جائے۔ کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرد رہتے ہیں اور اسلیئے انکو اس سے چارہ نہیں۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعہ معاش سود ہے اس لیئے سود خواری جائز رکھی جائے۔

۳۔ شراب سے نہ روکا جائے' ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں۔ بالآخر ان لوگوں نے کہا اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائے۔ یہ سن کر ان کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدائے اعظم کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بولے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو' منات صرف ایک پتھر ہے' ان لوگوں نے کہا عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ جو چاہیں کریں' لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ (۲)۔

ان لوگوں نے نماز' زکوۃ اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی۔ وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے لیکن زکوۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے ہر شخص پر واجب نہیں ہے' واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اس بنا پر اس وقت ان دونوں باتوں سے ان کو مجبور نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آ جائے گی۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لا چکیں تو زکوۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (۳)۔ چنانچہ دو

ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کرلیا ہو۔(۴)۔

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہ نے طائف پہنچ کر بت کدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔(۵)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد باب تخریب القرآن۔ (۲)۔ زادالمعاد' بحوالہ مغازی موسی بن عقبہ۔ (۳)۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ باب ماجاء فی خبر الطائف (۴)۔ اصابہ ترجمہ جبیر بن حیۃ ثقفی۔ (۵)۔ تاریخ طبری

الا ابکین دفاع

لوگوں پر روؤ کہ پست ہمتوں نے اپنے بتوں کو دشمنوں

اسلمها الرضاع

کے سپرد کر دیا اور

لم یحنوا المصاع

معرکہ آرائی نہ کرسکے۔

(عربوں میں کثیر الازواجی کی عام عادت تھی' قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان ابن سلمہ کی دس بیویاں تھیں جب وہ مسلمان ہوا تو احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویوں سے اس کو مفارقت کرنی پڑی۔(۱)۔

وفد نجران ۹ھ ::

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے جہاں عیسائی عرب آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے ہیں اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے' اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشواء رہتے تھے

جن کا لقب سید اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔ اعشیٰ اسی کی شان میں کہتا ہے:

وکعبہت نجران حتم علیک
حتی تناخی بابوابھا
تزور یذیدا وعبد المسیح
وقیساھم خیرا وبابھا

یہ کعبہ تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ جو شخص اس کے حدود میں آ جاتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا اس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔ (۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد میں اتارا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہؓ نے روکا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔

ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا' نہایت محترم اور فاضل شخص تھا۔ قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیئے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ (۳)۔

ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف مسائل پوچھے اور آپ ﷺ نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتداء کی اسی آیتیں اتریں۔ ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ تھے:

قل یااھل الکتاب تعالوا الی الکلمہت سواء بیننا
وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ
بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا

علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیئے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیئے تباہ ہو جائیں گے۔ غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

بنو اسد ۹ھ ::

یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیوں میں قریش کا دست و بازو تھا طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نشہ باقی تھا۔ سفراء دربار رسالت میں آئے تو احسان کے لہجہ میں کہا کہ آپ ﷺ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی، بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صداقین (سورہ حجرات)

یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ ۹ھ ::

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا۔ عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے اسی قبیلہ نے رمضان ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا اور اسلام قبول کیا۔ (۱)۔

کندہ ۱۰ھ ::

یہ حضر موت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا یہاں کندی خاندان کی سلطنت

دیں۔ ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ خدا کو ایک جانو' نماز پڑھو' روزہ رکھو اور خمس دو اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں' دبا' حنتم' نقیر' مزفت۔

دبا' حنتم' نقیر' مزفت۔ یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے جن میں رکھ کر شراب بنائی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے۔ ان کے پندو موعظت میں انہی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ حضور ﷺ نے ان ظروف کا کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو۔ جب ابال کم ہوجاتا ہے تو اس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔ اتفاق یہ کہ وفد میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گزرا تھا ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا' اس کو وہ شرم سے چھپاتے تھے۔ (۲)۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عبدالقیس نے خود پوچھا (۳)۔ کہ یا رسول ﷺ اللہ ہم کو کیا پینا چاہیئے؟ اس کے جواب میں آپ نے ان چار چیزوں کا ذکر فرمایا۔ (۴)۔

بنو عامر ۹ ھ ::

بنو عامر (۵)۔ کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس بن عیلان کی شاخ تھا۔ بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے۔ عامر بن طفیل' اربد بن قیس اور جبار بن سلمیٰ۔ عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہوچکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا۔ جبار اور قبیلہ کے عام لوگ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

---

(۱)۔ اصابہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان۔
(۳)۔ صحیح مسلم باب الایمان۔ (۴)۔ مسلم اور دیگر کتب صحاح میں عبدالقیس کے اسی وفد کا ذکر ہے۔ ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اسی قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس میں چالیس

آدمی شریک تھے اس بنا پر علاقہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیئے ھیں۔ پہلا تقریباً ۵ھ ھیں اور دوسرا ۱۰ میں حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی میں بعینه یہی تحقیق کی ھے لیکن الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ھے۔ (۵)۔ اضافہ۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا۔ جبار اور مشہور صحابی کعبؓ ابن مالک میں پہلے کے مراسم تھے۔ اس لیئے وہ تیرہ آدمیوں کے ساتھ انہی کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعبؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلہ کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے کہا۔ انت سیدنا حضور ہمارے آقا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ السید اللہ! آقا خدا ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا۔ حضور ﷺ ہم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں۔ ارشاد ہوا۔ بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو ہنکا نہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ (۱)۔

عامر بن طفیل نے کہا۔ محمد ﷺ تین باتیں ہیں۔ اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر میرے قبضہ میں ہوں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔'' عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمد ﷺ کو باتوں میں لگاؤں گا۔ ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا۔ اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی۔ نبوت کے غیر مرئی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دیں تھیں۔ دونوں اٹھ کر چلے آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''خدایا ان کے شر سے بچانا۔'' عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحب فراموش ہونا شرم کی بات تھی۔ عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑ دیا' جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دارالسلام سے واپس آئے۔ (۲)۔

حمیر وغیرہ کی سفارت ::

حمیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی۔ سلاطین حمیرہ کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے عربی میں ان کالقب قیل تھا' لیکن خودنہیں آئے'لیکن قاصد بھیجے کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہرا'بنوبکاوغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

---

(۱)۔ مشکوہ باب المفاخرہ بحوالئہ ابوداؤد۔ (۲)۔ عام واقعات ابن اسحاق و زرقانی سے ماخوذ ہیں۔ عامر کی تقریر اور اس کی موت کو واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

www.iqbal.com.net All rights reserved. ©2002-2006

تاسیس حکومت الٰہی

استخلاف فی الارض

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من

قلبھم

''تیرہ (ا)۔ دنار راتوں کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے' گھنگھور گھٹائیں جب چھپٹ جاتی ہیں تو خورشید تاباں ضیا گستری کرتا ہے۔ دنیا گنہگاریوں اور ظلم وستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتاً صبح سعادت نے ظہور کیا اور حق وصداقت کا آفتاب پرتو افگن ہوا۔ عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا' اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔ خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا۔''

وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من

قبلھم و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا ط یعبدوننی

لا یشرکون بی شیئا۔ (نور)

خدا نے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا

ہے کہ انکو بے شبہ زمین میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے

گا جس طرح کہ گذشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی

تھی اور انکے اس مذہب کو جس کو اس نے ان کیلئے پسند کیا تھا

تو یقیناً قوت بخشے گا اور انکی بے امنی کو امن سے بدل دے گا۔

مجھ کو پوجیں اور کسی کو شریک نہ بنائیں۔

حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں' لیکن جب دعوت الٰہی سیاست ملکی کی دیواروں سے آ کر ٹکراتی ہے یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی و انتشار حال کے کانٹوں میں الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیم وموسیٰ کے قالب میں

آگے بڑھتا ہے اور قوم و ملک کو نمارو و فراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔

پیغمبروں میں عیسیٰ اور یحییٰ بھی گزرے ہیں۔ جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور موسیٰ اور داؤد و سلیمانؑ بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے لیکن محمد رسول اللہ عیسیٰؑ و یحییٰ بھی تھے اور موسیٰ اور داؤد بھی عرب کے خزانے دست تصرف میں تھے لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی نرم بستر تھا نہ غذائے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا نہ جیب و آستین میں درہم و دینار، عین اس وقت جب اس پر کسریٰ و قیصر کا دھوکا ہوتا تھا وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے یہ تھی۔

---

(۱)۔ یہ پورا باب اضافہ ہے۔ "س" (۲)۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے قبیلے کے شیخ تھے۔ چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی شام و اطراف بابل کے کئی بادشاہوں سے ان کو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کرے گا (توراۃ سفر تکوین)

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیز الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔(سورہ الحج)

مسلمان جن سے (بلا سبب) جنگ کی جاتی ہے اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر

قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے سو
اس کے ان کا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا
پروردگار ہی ہمارا خدا ہے۔ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم
سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں کلیسے عبادت گاہیں،
مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے برباد کر دی
جائیں جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے خدا طاقتور
اور غالب ہے مسلمان وہ ہیں جن کو اگر خدا زمین میں قوت
عطاء کرے تو عبادت الٰہی کریں مستحقین کی مالی اعانت کریں
(زکوٰہ دیں) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برائیوں سے
روکیں۔ انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیتوں میں بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوات کی ابتداء کیوں اور کیونکر ہوئی۔ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہیں اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے؟ ان میں مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا۔ یہاں عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں کرنی مقصود ہیں۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ملک کے ہر گوشہ میں دعاہ اسلام پھیلے ہوئے ہیں۔ قبائل دور دراز صوبوں سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہیں۔ فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا۔ جو رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے، اسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں محصلین زکوۃ کا تقرر فرمایا، لیکن اصل خلافت الٰہی کے تمام اجزاء اواخر ۱۰ھ زمانہ حجتہ الوداع کے قریب مکمل پائے۔

یورپ کی نا آشنا نگاہ میں اگرچہ آپ کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا

ایک طرب انگیز مظہر تھا' لیکن آشنایان حقیقت کو شہنشاہ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے' وہ تاج و تخت سے بے نیاز قصر و ایوان سے مستغنی' حاجب و دربان سے بے پروا' مال و زر سے خالی' خدم و حشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا تھا اس کی حکومت میں نہ پولیس تھی نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر' نہ کثیر التعداد ارباب مناصب' نہ وزرائے شوریٰ' نہ امرائے سیاست' نہ الگ الگ حکام وقضاہ' وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی لیکن بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک بال کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہؓ جگر گوشۂ نبوت اور عام مجرم برابر (۲)۔ تھے۔

---

(۱)۔ ابوداؤد۔ کتاب الصلوٰۃ القاعد۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الحدود۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل بعثت کا مقصد دعوت مذہب' اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفوس تھا اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے۔ اس بنا پر انتظامات ملکی آپ ﷺ نے اسی حد تک قائم کیئے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے۔ تاہم یہ کام بھی کچھ اہم نہ تھا۔

انتظام ملکی ::

(عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی لیکن اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ ولاۃ اور عمال کا تقرر' مؤذنین اور ائمہ کا تعین' محصلین زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی' غیر قوموں سے مصالحت' مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم' فوجوں کی آراستگی' مقدمات کا فیصلہ' قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد' وفود کیلئے تعین و ظائف اجرائے فرامین' نومسلموں کے انتظامات' مسائل شرعیہ میں افتاء جرائم کیلئے اجرائے تعزیر' ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات عہدہ داروں کی خبر گیری اور

احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ گورنر اور والی بنا کر بھیج دیئے گئے تھے لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے۔

خلافت الٰہی کے ان فرائض و اعمال نے آپ ﷺ کے دل و دماغ پر جو بار عظیم ڈالا۔ اس نے آپ ﷺ کے نظام جسمانی کو چور چور کر دیا۔ عام روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضاء تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا۔ اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سننا چاہیے جن سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہوسکتا۔

ان عبدالله بن شقيق قال سالت عائشة افكان يصلى قاعدا قالت حين حطمه الناس۔ (۱)۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا؟ ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ کو چور چور کر دیا تھا۔

امیر العسکری ::

چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہ ہوتے تھے لیکن جو بڑے معرکے پیش آتے تھے انکی قیادت خود آپ ﷺ بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ چنانچہ بدر، احد، خیبر، فتح مکہ، تبوک میں خود آپ ﷺ ہی امیر العسکر تھے اسکا مقصد صرف فوج کو لڑانا اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانون جنگ اسی دارو گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے۔

افتاء ::

(آپ کے عہد مبارک میں اگر چہ متعدد صحابی بھی بطور خود فتوی دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ﷺ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے فتوی دینے کے لیئے آپ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا' بلکہ پھرتے اٹھتے بیٹھتے' غرض جس وقت لوگ آپ ﷺ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کا جواب دیتے تھے چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم میں ان فتاوی کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ خلافت کا یہی فرض تھا جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا۔)

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الصلوۃ۔ باب صلوۃ القاعد۔

فصل قضایا ::

(اگر چہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں عہدہ قضاءت قائم ہو چکا تھا اور حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو آپ ﷺ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا۔ تاہم مدینہ اور اس کے حوالی ومضافات کے تمام مقدمات کا آپ ﷺ خود فیصلہ فرماتے تھے اس کے لیئے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے:

باب ما ذکر ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یکن له بواب۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر دربان نہ تھا۔

اس بناء پر گھر کے اندر بھی آپ ﷺ اطمینان وسکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ عورتوں کے معاملات عموماً زنان خانہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آپ ﷺ کے فیصلوں کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو

ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ عموماً احادیث کی کتاب البیوع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوجداری کے مقدمات مذکور ہیں۔

توقیعات وفرامین ::

یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک میں اگرچہ اوصیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا تاہم توقیعات وفرامین کے لیئے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی چنانچہ اس خدمت پر حضرت زیدؓ بن ثابت اور آخر میں معاویہؓ مامور ہوئے۔ ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے سلاطین و ملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قوموں کے ساتھ جو معاہدہ کیئے۔ مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے اعمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کیئے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا۔ بعض صحابہ کو جو حدیثیں لکھوائیں، وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی وغیرہ نے آپ ﷺ کے احکام وفرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔)

مہمان داری ::

(منصب نبوت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہو گئی تھی اس لیئے آپ ﷺ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافت الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپ ﷺ اسی حیثیت سے ان کی مہمان داری فرماتے تھے۔ مہمانوں کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیئے آتی تھی جن کی مہمان داری کے لیئے آپ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلالؓ کو مامور فرما دیا تھا۔ چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ ﷺ اس کو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے جب آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپ ﷺ کو

ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا(۱)۔ جاتا۔ کبھی کبھی اس غرض کے لیئے آپ تمام اصحابہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم حاصل ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی۔ چنانچہ ایک بار ہر مہاجرین کی ایک برہنہ پا و سر جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تلوار

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الخرج والا مارہ باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین۔

حمائل تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی پریشان حالی دیکھی، دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہ کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک انصار اٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے بمشکل اٹھ سکتا تھا۔ لا کر آپ ﷺ کے آگے ڈال دیا۔ اس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا اور تھوڑی دیر میں ان بے سر و سامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا۔ (۱)۔

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے۔ آپ ﷺ بنفس نفیس ان کی خاطر مدارت کرتے تھے اور ان کے لیئے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے۔ قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ آپ ﷺ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ نے جو آخری وصیتیں فرمائی تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھی:

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم۔ (۲)۔

جس طرح میں وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا اسی طرح تم بھی دیا کرو۔

(وفود کے حالات آگے آتے ہیں۔)

عیادت مرضیٰ ::

(مریضوں کی عیادت اور ان کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتداء بھی ہوئی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دم نزع میت کے اعزہ آپ ﷺ کو اطلاع دیتے آپ ﷺ ان کے پاس آ کر ان کے لیئے دعائے مغفرت (۳)۔ کرتے' لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا۔ کیونکہ بعض صحابہ اس حالت میں اپنی جائیداد کو وقف یا صدقہ کر دینا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے جن لوگوں پر قرض آتا تھا۔ آپ ﷺ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اس لیئے ان کے ورثاء یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا اور اس طرح بعض معاملات ونزاعات کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ احادیث میں اسی قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

احتساب ::

تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا۔ جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات' بیع وشرا اور معاملات داد وستد کی نگرانی کرتا تھا' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ خود ہی آپ ﷺ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ ہر شخص کے جزئیات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ ﷺ وقتاً فوقتاً داروگیر فرماتے رہتے تھے' تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا' لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے ان پر عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے' صحیح بخاری

کتاب البیوع میں ہے:

(۱)۔ مسند احمد بن حنبل جلد ٤ صفحہ ٣٥٨۔ (۲)۔ صحیح بخاری جلد اول باب اخراج الیہود من جزیرہ العرب۔ (۳)۔ مسند ج ٣ صفحہ ٦٦۔

لقد رایت الناس فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتباعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوا فی مکانہم حتی یودوہ الی رحالہم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمینًا غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالیں جہاں اس کو خریدا تھا۔

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیئے آپ ﷺ خود بازار تشریف لے جاتے۔ ایک بار آپ ﷺ بازار میں گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی۔ دکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔ جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔(۱)۔

فرائض احتساب میں آپ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا' یعنی جب عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ ﷺ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللتیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیئے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ ﷺ نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک عام خطبہ دیا جس میں

اس کی سخت ممانعت فرمائی (۲)۔

اصلاح بین الناس ::

اسلام تمام دنیا کے تفرقوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیئے آیا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپ ﷺ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپ ﷺ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیئے تشریف لے گئے آپ ﷺ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی لیکن اذان کے بعد بھی آپ ﷺ تشریف نہیں لائے۔ تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو امام بنا کر نماز شروع کی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اگلی صف میں جا کھڑے ہوئے حضرت ابو بکرؓ اگرچہ نماز میں ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں، لیکن آپ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوء ادب خیال کیا اس لیئے پیچھے ہٹ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ (۳)۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۵۲ کتاب الایمان۔ (۲)۔ بخاری ج صفحہ ۱۶۸ کتاب الاحکام۔ (۳)۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷ کتاب الصلح۔

ایک بار اہل قباء کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سنگ اندازی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ (۱)۔ یہ دونوں واقعات

گو امام بخاری نے الگ لکھے ہیں، لیکن شراح حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابن ابی حدرد پر حضرت کعبؓ بن مالک کا کچھ قرض تھا۔ انہوں نے مسجد میں تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ بات زیادہ بڑھی اور شوروغل ہوا۔ تو آپ ﷺ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعبؓ کو پکارا۔ کعب نے لبیک کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نصف معاف کر دو۔ وہ راضی ہو گئے تو آپ نے حدرد سے کہا کہ جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کر دو۔

اس قسم کے سینکڑوں جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیئے اکابر صحابہ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدوں پر نصب فرمایا۔ کتابت وحی، نامہ و پیام، اجرائے احکام و فرامین کے لیئے سب سے پہلی ضرورت عہدہ انشاء اور کتابت کی تھی۔ اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، لیکن اسلام عرب کے لیئے رحمتوں کا جو خزانہ لایا تھا اس میں ایک شے یہ بھی تھی۔ اسیران بدر میں نادار لوگوں کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے جن کے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی۔ اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا ایک جزو کتابت کی تعلیم بھی تھی۔

کتاب ::

عہدہ قضا گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لیئے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کیئے گئے جن میں شرجیلؓ بن حسنہ کندی سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم

الاسلام تھے۔ مکہ میں انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبداللہؓ بن ابی سرح تھے‘ مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب کو حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عامر بن فہیرہؓ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عبداللہ بن ارقمؓ‘ حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماس‘ حضرت حنظلہؓ ابنؓ الربیع الاسدی‘ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ‘ حضرت عبداللہ بن رواحہ‘ حضرت خالدؓ بن ولید‘ حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص‘ حضرت علاءؓ بن حضرمی‘ حضرت حذیفہ بن الیمان‘ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان‘ حضرت زید بن ثابت مختلف اوقات میں اس منصب پر مامور ہوئے۔ اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا امراء اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامرؓ بن فہیرہ لکھتے تھے اور امرائے عمان کے نام آپ ﷺ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ

(۱)۔ بخاری کتاب۔

حضرت ثابتؓ بن قیس نے لکھا تھا‘ لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زیدؓ بن ثابت کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں (۱)۔

ہے۔

حضرت زیدؓ بن ثابت نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی‘ جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جن کی مذہبی زبان عبرانی تھی۔ اس بناء پر آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا اور انہوں نے پندرہ دن میں مہارت حاصل کر لی۔

حکام اور ولاۃ ::

فصل قضایا، اقامت عدل، بسط امن، رفع نزاع کے لیئے متعدد ولاۃ حکام کی ضرورت تھی اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمادیا۔ چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

باذانؓ بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمادیا۔
شہر بن باذانؓ	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعیدؓ بن العاص	شہر بن باذان مارے گئے تو ان کے بعد۔ آپ ﷺ نے ان کو صنعاء میں عامل مقرر فرمایا۔
مہاجرؓ بن امیۃ المخزومی	آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا، لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے۔ کہ آپ ﷺ نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاریؓ	حضر موت کے والی تھے۔
ابوموسیٰ اشعریؓ	زبید، عدن، زمعہ وغیرہ کے والی تھے۔
معاذ بن جبلؓ	والی جند۔
عمرو بن حزمؓ	والی نجران
یزید بن ابی سفیانؓ	والی تیما۔
عتابؓ بن اسید	والی مکہ۔

علیؓ بن ابی طالب متولی اخماس یمن۔

عمروؓ بن العاص والی عمان۔

علاءؓ بن حضرمی والی بحرین۔

ان ولاہ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر سایہ آئے ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک

(۱)۔ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی جلد ٤ صفحہ ۳۷۳ میں مذکور ہیں۔

ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا۔اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے۔خالدؓ بن سعید کو صنعاء پر مہاجرؓ بن ابی امیہ کو کندہ پر' زیاد بن لبید کو حضرموت پر' معاذؓ بن جبل کو جند پر' ابوموسٰی اشعریؓ کو زبید' زمعہ' عدن اور سواحل پر۔(۱)۔

عموماً جب کسی مہاجر کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے تھے۔(۲)۔ملکی انتظام' فصل مقدمات اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ ان اعمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن وفرائض کی تعلیم تھی۔ اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے اوپر گزر چکا ہے یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔استیعاب تذکرۂ معاذؓ بن جبل میں ہے۔

وبعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم قاضيا الى الجند من اليمن يعلم الناس القران وشرائع الاسلام ويقضى بينهم وجعل اليه قبض الصدقات من العمال الذين باليمن

آنحضرت ﷺ نے ان کو یمن کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یمن میں تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان فرائض کی تعین فرما دیتے تھے۔ معاذ بن جبل کو روانہ فرمایا یہ وصیت کی۔

انك تاتي قوما من اهل الكتاب فادعهم انى شهادة ان لا اله الا الله و انى رسول الله فان هم اطاعوا لذالك فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم دليلة فانهم اطاعوا لذالك فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم و ترد الى فقرائهم فان هم اطاعوا لذالك فاياك و كرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها و بين الله حجاب۔

تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غرباء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کرلیں۔ تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ کیونکہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ملاطفت نرمی اور خوش خوئی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گورنروں کو بار بار اس طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب معاذؓ بن جنبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی۔

یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا و تطاوعا ولا تختلفا (مسلم ج ۲ صفحہ ۶۳ کتاب الایمان)

آسانی پیدا کرنا' دشواری نہ پیدا کرنا۔ لوگوں کو بشارت دینا اور انکو وحشت زدہ نہ کرنا' باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب میں پاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

احسن خلقك للناس (ابن سعد تذکرہ معاذ بن جبل)

لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتداء میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کو مطیع کرنے کے لیئے اس کو مجبوراً سختیاں کرنی پڑتی ہیں تو عرب سب سے زیادہ اس کا مستحق تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی اس مقدس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی ولاہ کے مظالم سنگ گراں سے نہ دبا۔ یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہ عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت استعجاب ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے

دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ میں کھڑے کیئے گئے ہیں انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی ۔لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیئے ان لوگوں کے ساتھ یہ سختی کی جارہی ہے انہوں نے یہ سن کرکہا:

اشھد لسمعت رسول اللهﷺیقول ان الله یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا (۱)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو یہ کہتے سنا کہ خدا ان لوگوں کو سزا دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم باب الوعد الشدید لمن عذب الناس بغیر حق۔

(۲)۔ اس فہرست کی اکثر اقسام ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵ میں مذکور ھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور عبیدہؓ بن جراح کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابوداؤد کتاب الخراج میں ھے' بقیہ کے زادالمعاد ذکر مصدقین وامرائے نبوی اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو۔

محصلین زکوۃ وجزیہ ::

عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگر چہ خود ان کو صدقہ وزکوۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا۔ چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپﷺ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا' لیکن ایک وسیع ملک اور وسیع حکومت کے لیئے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لیئے ولاہ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ وزکوۃ کے وصول کرنے کے لیئے ہر قبیلہ کے لیئے الگ الگ محصلین مقرر فرماتے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوۃ اور خراج وصول کر کے آپﷺ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموما خود روسائے قبائل اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور

احادیث سے معلوم ہوتا کہ عموماً ان کا تقرر وقتی ہوتا تھا۔

بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں (۱)۔ میں متعین فرمایا:

نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے و بنی اسد
ابو جہم بن حذیفہ	بنو لیث
صفوان بن صفوان (۲)۔	بنی عمرو
ایک ہذیمی	بنو ہذیم
مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
عمر فاروقؓ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار و اسلم
ابو عبیدہ بن جراح	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم و مزینہ
عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جہنی	جہینہ
زیاد بن لبید	حضر موت
زبرقان بن بدر	بنو سعد
ابو موسی اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	بنو سعد
خالدؓ	صوبہ یمن
عمرو بن عاص	بنو فزارہ
ابان بن سعید	بحرین

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ک بن سفیان کلابی	بنو کلاب
بن جز ءالاسدی	تحصیل خمس
ن سفیان کلابی	بنو کعب
بن سعید بن عاص	تیماء
اللہ بن اللتبیہ	بنو ذبیان
یہ بن حسن فزاری	بنو تمیم

ان محصلین کے تقرر میں آپ ﷺ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے۔

ا۔ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بتصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوۃ کی کیا مقدار ہے؟ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ایاک و کرائم اموالھم یہ عمال نہایت شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے تجاوز جائز نہیں رکھتے تھے۔بعض لوگوں نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ

(۱)۔ اصابہ باب صفوان۔ (۲)۔ نسائی صفحہ ۳۹۰

ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا۔ میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان میں اجازت نہ تھی۔ چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لے کر حاضر ہوا' اور اس کی خدمت میں پیش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کی ممانعت کی گئی (۱) ہے۔

۲۔عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی۔ جو جنگلوں میں بیابانوں میں' پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے'

لیکن بجائے اس کے دینوی حکومتوں کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوۃ کے جانور لاکر محصلین کے سامنے پیش کرتے محصلوں کو خود ان دروں میں جاکر زکوۃ وصول کرنا پڑتی تھی۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ وہ شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد میں یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی' لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لا دلیا اور چلتے ہوئے (۲)۔

۳۔ اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال لینے سے خود احتراز کرتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینا چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو (۳)۔ لیکن بایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیئے روانہ فرمایا جب وہ واپس ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کا محاسبہ کیا' تو انہوں نے کہا یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ (۴)۔

۴۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ و زکوۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لیئے خاندان نبوت کا کوئی فرد صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل ابن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے۔ آپ کی خدمت

میں درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہوگیا ہے۔تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجئے تاکہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیئے سرمایہ مہیا کریں' لیکن آپ نے فرمایا کہ صدقہ آل محمدﷺ کیلئے جائز نہیں ہے وہ لوگوں کا میل (۵)۔ ہے۔

۵۔اعمال کا انتخاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیئے خود پیش کرتے تھے ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی۔ چنانچہ ابوموسٰی اشعریؓ کے ساتھ دو شخص آئے

(۱)۔ نسائی صفحہ ۳۹۳ (۲)۔ ایضاً (۳)۔ فتوح البلدان صفحہ ۳۱ (۴)۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۱۳ (۵)۔ صحاح کتاب الصدقات۔

اور عامل بننے کی درخواست کی۔آپ نے حضرت ابوموسٰی اشعریؓ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ "تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں آپ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے' لیکن اسی وقت حضرت ابوموسی اشعریؓ کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔(۱)۔

۶۔عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔آپﷺ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا' وہ خیانت مالی ہے' مقدار ضرورت کی تصریح خود آپﷺ نے فرمادی تھی۔(۲)۔

من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجۃ فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما وان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا و من اتخذ غیر ذالک فهو غال۔

جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیئے اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا۔اگر مکان نہ ہو تو مکان کا لیکن اگر

کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔

آپ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملتا تھا۔ چنانچہ ان کے عہد خلافت میں جب صحابہ نے زہد وتقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا۔

قضاۃ ::

ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے۔ مثلاً فصل مقدمات کا کام اگر چہ زیادہ تر آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے' لیکن کبھی کبھی آپ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' ابن کعبؓ معاذؓ بن جبل۔ اگر چہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتداء بنوامیہ کی سلطنت میں ہوئی۔ (۳)۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اس کا ابتدائی نمونہ قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں قیسؓ بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے' اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ (۴)۔۔

جلاد ::

مجرموں کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ مقداد بن الاسودؓ محمد بن مسلمہ' عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی (۵)۔ کے سپرد تھی۔

غیر قوموں سے معاہدہ ::

عرب میں اب کفر وشرک کا بالکل وجود نہ تھا۔ کہیں کہیں صرف مجوس' نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں تھیں۔ ان میں سے معتد بہ افراد نے گو نور ایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافت الٰہی کی ہمہ گیر

قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے۔ حجاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لیئے اسلام نے

(۱)۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۰۹ (۲)۔ ابوداؤد جلد ۲ باب ارزاق العمال میں دونوں حدیثیں شامل ہیں۔ (۳)۔ فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱۰ (٤)۔ بخاری کتاب الاحکام۔ (۵)۔ زادالمعادی بن قیم

بھی انکی جان و مال' عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اسکے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی' اس رقم کا نقد روپیہ کی صورت میں ادا ہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز بنتی تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔ (۱)۔

غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ میں خیبر' فدک' وادی القریٰ' تیاء کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اس بناء پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے۔ (۲)۔ اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔ (۳)۔

۹ھ میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ شرائط صلح یہ تھے کہ وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قسطوں میں یعنی ادھا ماہ رجب میں ادا کر دیں گے۔ اگر یمن میں بھی کبھی بغاوت یا شورش ہو گی تو وہ عاریتاً تیس زرہیں' تیس گھوڑے اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتھیار دیں گے اور مسلمان ان کی واپسی کے ضامن ہونگے۔ اس کے معاوضہ

میں جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کریں گے۔ نہ ان کے گرجے ڈھائے جائیں گے نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے‘ نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔(۴)۔

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر دومتہ الجندل‘ ایلہ‘ مقناء جربا‘ اذرح‘ تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا‘ ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا‘ اور مسلمان جب ادھر سے گزریں تو ان کی ضیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی۔(۵)۔ ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کرسکیں تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کریں۔(۶)۔ بحرین کے مجوسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔(۷)۔

اصناف محاصل ومخارج ::

مختلف اغراض ومصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے‘ (۱) غنیمت‘ (۲) فی‘ (۳) زکوٰۃ‘ (۴) جزیہ‘ (۵) خراج۔ اول ودوم کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔ غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا۔ عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا جس کو اصطلاح میں مرباع کہتے تھے اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لے لیتا تھا‘ تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی **ملک** قرار دیا جس میں خمس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح واغراض کے لیے مخصوص فرمایا۔

---

(۱)۔ ایضاح افصل جزیہ۔ (۲)۔ زادالمعاد ابن قیم جلد اول۔ (۳)۔ بخاری مسلم و ابوداؤد ذکر خیبر و فتوح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القری و تیما۔ (۴)۔ ابوداؤد کتاب الخراج باب اخذالجزیہ۔ (۵)۔ فتوح البلدان بخاری۔ (۶)۔ ابوداؤد باب اخذ الجزیہ۔ (۷)۔

ابوداؤد باب اخذ الجزیہ البحوس و تاریخ بلا ذری بحرین۔ (۸)۔ ابوداؤد و حکم ارض خیبر بروایت مجمع۔

یسئلونك عن الانفال قال الانفال لله والرسول۔

(انفال)

اے پیغمبر! لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بناء پر صاحب خلافت جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کر سکتا ہے اس طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے:

واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل (انفال)

مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسول' اہل قرابت اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلموں کو عنایت فرمایا۔ ہمیشہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک حبہ سپاہیوں پر برابر تقسیم فرما دیتے تھے۔ سواروں کو تین حصے اور پا پیادہ کو ایک حصہ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملتے تھے۔ (۱)۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا۔ آیت بالا میں جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے زیادہ تر انہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ: صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مدوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ پھل' اور پیداوار' مویشی (بجز گھوڑا) ساب تجارت۔ دوسو درہم چاندی' بیس مثقال

سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیئے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) یا پانچ وسق سے زیادہ ہو۔ سونا اور چاندی کا چالیسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ مویشیوں کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمیں کی گئیں' ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے۔ (۲)۔ اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا اور جس کو آبپاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا۔ اس میں نصف (عشر) یعنی بیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ (۳)۔ سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی۔ (۴)۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی۔ فقرا' مساکین' نومسلم' غلام جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے۔ مقروض' مسافر' محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ' دیگر کار خیر' عموماً جہاں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی' وہیں کے مستحقین پر صرف کر دی جاتی تھی۔ صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ (۵)۔ معاذؓ بن جبل جب عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تو زکوٰۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الزکوٰہ باب العروض اذا کانت للتجارہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲۰۱۔ (۳)۔ ترمذی کتاب الزکوٰہ۔ (٤)۔ ایضاً۔ (۵)۔ ابوداؤد کتاب الزکوہ باب الصدقہ تحمل فی البدالی بلد۔

جزیہ غیر مسلم رعایہ سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا' اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں ہر مستطیع

بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا۔ بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں' ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی' عہد نبوی ﷺ میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج غیر مسلم کاشت کاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہوگیا ہو اس کا نام خراج ہے' خیبر' فدک' وادی القری' تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا' پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا وقت جب آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفع اشتباہ کے لیئے تخمینہ میں سے ثلث کم کر دیا جاتا تھا۔ (۱)۔ بقیہ پر حسب شرائط خراج وصول کیا جاتا۔ خیبر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔ جزیہ اور خراج کی رقم سپاہوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی تمام صحابہ ضرورت کے وقت والنفیر سپاہی تھے۔ جو کچھ وصول ہو کر آتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کو اسی وقت تقسیم فرما دیتے تھے۔ اول آپ ﷺ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے۔ جو پہلے غلام رہ چکے تھے ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھے ہوتے تھے اسی ترتیب سے نام پکارتے جاتے تھے جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے ان کے دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔

جاگیریں اور افتادہ زمینوں کی آبادی ::

ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی' پتھریلا شور اور بنجر تھا۔ جو سرسبز قطعات تھے ان پر بیرونی قومیں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں مدینہ اور طائف میں البتہ کاشت کاری ہوتی تھی' بقیہ عام عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے اس بنا پر قیام امن کے لیئے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے' حجاز یمن میں غیر قوموں کے انخلاء کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہوگئی تھیں جن کا انتظام

ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ نے عام طور پر صحابہ کو اس کی ترغیب دی۔

من اجبار ارضا میتہت فھی لہ من احاط حائطا علی ارض فھی لہ۔

جس شخص نے افتادہ زمینوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بنونضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ نبوت کی ملک قرار پائے اور آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرمادیا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ رہی اور بقیہ ان مہاجرین وانصار میں تقسیم فرمادی جو حدیبیہ میں شریک تھے لیکن عملاً یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے اور جو زمینیں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا۔ چنانچہ عک 'ذوخیوان اور رایلہ' اذرح 'نجران وغیرہ میں

---

(۱)۔ بحوالہ مذکور باب فی الحرص۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی۔

اسی طرح معاملات طے پائے۔ افتادہ زمینیں بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرمائیں۔ حضرت وائل کو حضرموت میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمائی بلال ؓ بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کو ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانیں مرحمت فرمائیں۔ حضرت زبیر ؓ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمر ؓ کو خیبر میں جاگیریں عطا کیں۔ بنورفاعہ کو دومتہ الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیریں اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبہ کی تجدید کرسکتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت زبیر ؓ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جاگیر میں

داخل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب تک گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا پھینکا اور وہ جس نقطے پر گرا وہی ان کی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت چشمہ ہائے آب کی تھی۔ چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم دیا۔ من سبق الی مالم یسبقہ الیہ مسلم فھولہ یعنی جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے تو تمام لوگوں نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کر لیئے۔

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آ کر آنحضرت ﷺ سے جاگیروں کی درخواست کرنا شروع کی۔ ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپ نے منظور فرمالیا' لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ ﷺ نے ان کو جو کچھ جاگیر میں عطا فرمایا ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے۔ چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیاں صرف انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہیں تھا' لیکن جو چیزیں رفاہ عام کے کام آ سکتی تھیں ان کو آپ ﷺ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیئے چراگاہیں متعین کر لیتے تھے۔ جن کو حمی کہتے تھے۔ عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی لیکن ابیض ابن حمال نے جب اس کو اپنے حمی میں داخل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ لاحمی فی الاراک۔ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیئے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لیئے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لیئے اس طریقہ کو بھی روک (۱) دیا۔

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن وائل کا قبیلہ تھا

مذہبی انتظامات

ملک میں امن رکھنے کی غرض سے جو بعض انتظامات سرانجام پائے تھے ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیئے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں' دنیا کی دوسری قوموں کا بھی یہی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا ہے۔

دعاۃ اور مبلغین اسلام ::

ایک مشہور مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ مدینہ میں آ کر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے خدا پر ایمان لایا جائے یہ رہ گئے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔ (۱)۔ اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔

الذین ان مکنا ھم الارض اقاموا الصلوہت واتو
الزکوہت وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔

(وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں تو نماز قائم کریں زکوۃ دیں' اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔)

اس بنا پر ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی۔ داعئ مذہب بھی اور ماہر شریعت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ اکثر شرفاء میں لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا یا ایک ایک گھر فقہ' حدیث اور

تفسیر کا دارالعلم بن گیا۔ تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا اس لیئے ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکیں۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں حکم آیا:

وما کان المئومنون لینفروا کافہت فلولا نفر من
کل فرقہت منھم طائفہت لیتفقھوا فی الدین
ولینذر واقومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔
(توبہ ۱۲۲)

اور سب کے سب مسلمان تو سفر کرکے (مدینہ) نہیں آ سکتے اس لیئے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیئے تا کہ وہ شریعت (دین) میں تفقہ حاصل کریں اور تا کہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید یہ لوگ بری باتوں سے بچیں۔

(۱)۔ دیکھو دلھاوسن صاحب آرٹیکل اسلام پر انسائیکلو پیڈیا۔

ان کی تعلیم و تربیت ::

چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی گفتار، کردار، بات چیت، نشست و برخاست، قول و عمل، ایک ایک چیز تعلیم نبوی ﷺ کے پرتو سے منور ہو جائے تا کہ وہ تمام ملک کے لیئے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے۔ اس لیئے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

کان ینطلق من کل حی من العرب عصابہت
فیاتون النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نیسالونہ، عما
یریدون من امر دینھم وینفقھوا فی دینھم۔ (۱)۔

عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیان اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آجائیں اور یہیں بودوباش اختیار کریں' اس کا نام ہجرت تھا۔ اس بناء پر بیعت کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں' بیعت اعرابی اور بیعت ہجرت۔ بیعت اعرابی صرف ان بدوؤں کے لیئے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل الآثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت ہجرت اس کے بعد مصنف لکھتا ہے۔

ان البیعۃ من المہاجر توجب الاقامۃ عندہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لیعرف فیما یعرفہ فیہ من امور الاسلام بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ۔

ہجرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت ﷺ ان کو اسلامی امور میں لگائیں اور بیعت اعرابی میں یہ ضرور نہیں۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے تو اسی شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصتہ الوفا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور چونکہ مسجد نبوی ﷺ سب کے لیئے کافی نہ تھی اس لیئے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔

تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دومہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی، جب چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱)۔ تفسیر خازن سورہ توبہ آیتوما کان المومنون لینفروا کافۃ۔

ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم ومروھم وصلوا کما رایتمونی اصلی۔ (بخاری باب رحمتہ البہائم)

اپنے خاندان میں واپس جاؤ، ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا۔ یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لیئے صفہ خاص درسگاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔

مشکٰوۃ کتاب العلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے، حلقۂ ذکر اور حلقۂ درس۔ آنحضرت ﷺ حلقۂ درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قراء کہتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ عرنیہ میں جو لوگ تعلیم و ارشاد کے لیئے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید (۱)۔ کر دیا تھا وہ اس درسگاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتب حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قراء) کے ساتھ آیا ہے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ

داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ اگر چہ اس قدر مفلس و نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا خوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بناء پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین میں حضرت عبادہؓ بن الصامت بھی تھے جو مشہور صاحب علم تھے اور جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تعلیم فقہ وقرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ ابوداؤد میں حضرت عبادہؓ بن الصامت سے روایت ہے۔

علمت ناسا من اهل الصفه القران والکتاب ناهدی الی رجل منهم قوسا۔ (صفحه ۱۲۹ جلد دوم)

میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صلہ میں مجھ کو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ میں دی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادہؓ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حنبل میں ہے۔

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جهنم اللیل انطلقوا الی معلم لهم بالمدینه فید رسون اللیل

حتی یصبحو (۳۴۰ ص ۱۳۷۷)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔

(۱)۔صحیح بخاری غزوئہ بیر معونہ۔

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جنگ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسیران جنگ میں سے جو لوگ فدیہ نہیں ادا کر سکے انکو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابو داؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہؓ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ ترقی و جاہ پرستی سے طبعًا نفور تھے اور اس لیئے اینٹ اور مٹی پر صرف زر ناپسند فرماتے تھے۔ تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیس الٰہی تھا اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدیں صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہل محلّہ کو دن رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔ اس لیئے آپ ﷺ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ خود مدینہ کے اندر بہت سے قبائل آباد تھے ہر قبیلہ کا الگ الگ محلّہ تھا اور ہر محلّہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں بسند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے زمانہ میں نو مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔ان کے نام یہ ہیں۔ مسجد بنی عمر' مسجد بنی ساعدہ' مسجد بنی عبید' مسجد بنی سلمہ' مسجد بنی راتج' مسجد بنوی زریق' مسجد غفار' مسجد اسلم' مسجد جہینہ ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے۔مسجد بنی خدارہ' مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ' مسجد بنی الحبلی' مسجد بنی عصیہ' مسجد ابی فصیلی' مسجد بنی دینار' مسجد ابی ابن کعب۔مسجد النابغہ' مسجد ابن عدی مسجد بلحارث بن خزرج' مسجد بنی حطمہ' مسجد الفصیح' مسجد بنی حارثہ' مسجد بنی ظفر' مسجد بنی عبدالاشہل' مسجد واقم' مسجد بنی معاویہ' مسجد بنی قریظہ' مسجد بنی وایل' مسجد الشجرہ (۲)۔

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ میں مسجدیں بنتی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کرلیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے۔صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے۔چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ تو فطری شہادت ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اشھدان لا الہ الا اللہ۔کی آواز سنی تو فرمایا۔آگ سے نجات ہوگی صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے۔(۳)۔تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا۔ چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سریہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی۔

اذا رایتم مسجدا اوسمعتم صوتا فلا تقتلوا احدا۔

(۳)۔

اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔

(۱)۔ اضافہ تا ختم باب المعوذتین۔ (۲)۔ یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۲۸ سے ماخوذ ہے۔ (۳)۔ صحیح مسلم جلد اول کتاب الاذان باب الامساك عن الاغارہ علی قوم کی دار الکفر اذا سمع فہم الاذان۔ (٤)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین۔

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعت الام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لاتے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ غلغلہ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگر چہ اس وقت عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک زمانہ ممتد تک قائم نہیں رہ سکتی تھیں۔ اس لیئے ان باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ صفحہ ہستی سے مٹ گیا اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتوں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ (۱) تھا۔

عرب کے عام قبائل سے بحرین کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمعہ میں ہے۔

عن ابن عباسؓ انہ قال ان اول جمعہت جمعت بعد جمعہت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا جو بحرین کے ایک گاؤں جواثی نامی میں واقع تھی۔

اہل طائف جب اسلام لائے تو آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد

تعمیر کرائیں جہاں ان کا بت نصب (۲)۔تھا۔حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ ﷺ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کر لی ۔(۳)۔

اس قسم کی مسجدیں اگر چہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئی ہوں گی' لیکن عموما احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے جو مدینہ اور حوالی مدینہ میں تعمیر ہوئیں۔صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو گاؤں آباد تھے۔عاشورہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ان میں منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنے روزے کو پورا کرلیں اور جو لوگ افطار کر چکے ہیں وہ بقیہ دن روزہ رکھیں۔

اس اعلان کے بعد صحابہ نے اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے روزے رکھواتے تھے۔یہاں تک کہ ان کو گھر سے باہر مسجد میں لے جا کر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیئے آتے تھے تو ان کو ان کے بنے ہوئے کھلونوں سے بہلاتے تھے۔(۴)۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ''مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا

---

(۱)۔ نسائی کتاب المساجد جلد ۱ صفحہ ۱۱۸ (۲)۔ زادالمعاد جلد اول ۴۸۵ بروایت ابوداؤد الصیالیسی۔ (۳)۔ سنن نسائی کتاب المساجد صفحہ ۱۱۸۸۔ (۴)۔ صحیح مسلم کتاب الصیام من اکل فی عاشورہ افلیکف بقتہ یرمیہ۔

ہے یا نہیں؟'' اور اس باب کے تحت میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے۔حضرت انسؓ بن مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلّہ میں آتے تھے یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے۔ وہ آ کر کہتے تھے کہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ (۱)۔ ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ تھیں۔ صحاح کی روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلّہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا اسی پر عمل تھا۔ مدینہ میں جو قبائل آباد تھے ان کے علاوہ جو قبائل ہجرت کر کے آئے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

ولجھینۃ مسجد بالمدینۃ (۱)۔

مدینہ میں جہینہ کی ایک مسجد ہے۔

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔ باب المساجد التی علی طریق المدینۃ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں۔

مسجد قباء، مسجد الفضیح، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا (۳)۔ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منقش پتھروں سے تعمیر ہوئی ہیں ان سب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی

(۴)۔

ائمہ نماز کا تقرر ::

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیئے الگ الگ امام مقرر کر دیئے جائیں۔ عموماً عادت شریف یہ جاری تھیں کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے بڑے غلام آقا سب برابر تھے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے ان کے امام حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالم تھے جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمرو بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچے تھے، لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیئے وہی امام قرار پائے۔

امامت کے انتخاب کے لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند اصول مقرر فرما دیئے تھے۔

عن ابی مسعود الانصاریؓ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم یوم القوم اقرائهم لکتاب الله فان کانوانی القراءت سواء علمهم بالسنت فان کانوا فی السنت سواء فاقدمهم هجرت فان کانوا فی الهجرت سواء فاقدمهم سنا (مسلم)

ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی تھی اور اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس

کی عمر سب سے زیادہ ہو۔

(۱)۔ مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ۲۳۲ (۲)۔ طبقات ابن سعد جز رابع صفحہ ۱۷ (۳)۔ فتح الباری ج اول صفحہ ۴۷۱۔ (۴)۔ ایضاً۔

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے۔ چنانچہ اہل طائف کے امام عثمانؓ بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالکؓ بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا:

مدینہ میں' مدینہ سے باہر اطراف میں عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوئے تھے وہی ان کے امام بھی ہوتے (۱)۔ تھے۔ بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عہدے الگ الگ ہوتے تھے' عمان میں حضرت عمرو بن العاص عامل تھے اور ابو زید انصاری (۲)۔ امام' لیکن افسوس ہے کہ احادیث وسیر کی کتابوں میں نام بنام ان کی یکجا تفصیل مذکور نہیں۔ ضمنی واقعات میں جہاں تک اس کا سراغ لگ سکا ہے وہ حسب ذیل ہے:

نام

مقام تقرر

کیفیت

مصعبؓ بن عمیر

مدینہ منورہ

ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکر بیعت

عقبہ) آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے۔ (بخاری وابوداؤد)

ابن مکتومؓ

مدینہ منورہ

جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر غزوات میں تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہؓ بھی ہمرکاب ہوتے، لیکن چونکہ یہ آنکھوں سے معذور تھے اس لیئے مدینہ ہی میں رہتے تھے۔اس سبب سے اس موقع پر انہی کو آپ امام مقرر فرماجاتے۔ (ابوداؤد)

ابوبکر صدیقؓ

مدینہ منورہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی ﷺ میں امام ہوتے تھے (صحیح بخاری)

عتبان بن مالکؓ

بنوسالم

اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤدنسائی)

معاذؓ بن جبل

بنوسلمہ

اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری وغیرہ)

ایک انصاریؓ

مسجد قباء

اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری)

عمروؓ بن سلمہ

بنو جرم

اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد نسائی)

(۱) ۔ مسند ابن حنبل جلد ٤ صفحہ ٢١٨ ۔ (٢) ۔ فتوح البلدان بلا ذری ۔

اسیدؓ بن حضیر

بنو جرم

اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد)

انسؓ بن مالک یا کوئی

بنونجار

اپنے قبیلہ کے امام تھے (امام کا نام مشکوک ہے)

دوسرے صحابی

بنونجار

اپنے قبیلہ کے امام تھے (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)

مالکؓ بن حویرث

بنونجار

اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد)

عتابؓ بن اسید

مکہ معظمہ

اپنے قبیلہ کے امام تھے (نسائی (۱) ۔)

عثمان بن ابی العاص

طائف

اپنے قبیلہ کے امام تھے (ذکر وفد طائف)

ابوزیدؓ انصاری

عمان

اپنے قبیلہ کے امام تھے (بلاذری ذکر عمان)

مئوذنین ::

عام طور پر اذان کے لیئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپؐ نے قائم فرمایا تھا۔ چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا۔

نام	مقام	مسجد
بلالؓ بن رباح	مدینہ منورہ	مئوذن مسجد نبوی ﷺ
عمروؓ بن ام کلثوم قرشی	مدینہ منورہ	مئوذن مسجد نبوی ﷺ
سعد القرظؓ	عوالی مدینہ	مئوذن مسجد قباء
ابو مخدورہؓ (۲)۔ جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	مئوذن مسجد حرام

(۱)۔ کتب مذکورہ کی کتاب الصلوۃ میں یہ نام تلقط ہیں۔ (۲)۔ نسائی صفحہ ۱۸۰۔

زیادہ واقعات نہیں وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت وعظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی' جس کے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باراں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

(۱)۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۷۰ تفسیر سورہ انفال۔

جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا' خالص مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے ان کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتا دینا مقصود نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا اس لیئے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں' جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے' ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو (۱) تو کون مانتا۔

الغرض ان مختلف اسباب کی بناء پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا۔ مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معرکہ آرائیوں سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوۃ کی فرضیت کا موقع آئے۔ فتح مکہ سے

پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس پر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیئے اس وقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے' اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی ۵ھ تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں (۲)۔ مذکور ہیں۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا۔ احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ' حج' حرمت ربا وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قائم ہو گئے تھے لیکن تکمیل نہیں (۳)۔ ہوئی تھی۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب تالیف القرآن۔ (۲)۔ ابوداؤد باب ردالسلام فی الصلوۃ۔ (۳)۔ اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی مکمل کی تاریخ جلد نمبر ۱ کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گزر چکی ہے۔ ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنن میں یہاں سے اختلاف پائیں گے اس کے متعلق یہ غرض ہے کہ جلد اول میں عام مؤرخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شان نزول سے استقراء کر کے امر محقق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہا کہ احکام کے سنن اور تاریخیں کتب حدیث میں بالتصریح مذکور نہیں ہیں محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہیں اور اسی بنا پر باہم ان میں اختلافات ہیں ہم نے کوشش کی ہے۔ کہ صحیح اور معتبر دلائل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کریں و العصمۃ بیداللہ۔ (س)

عقائد (۱) اور اسلام کے اصول اولین

اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید رسالت ملائکہ قیامت حشر و نشر وغیرہ پر ایمان لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اول وحی جو نازل ہوئی یعنی اقرا باسم ربک الذی خلق اس میں خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی۔ (۲)۔

یایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطھر وا لرجز فاھجر (مدثر۔۱)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھ لوگوں کو ڈرا اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور بتوں کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں جس قدر آیتیں نازل ہوئیں۔ وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھیں شرک اور بت پرستی کی برائی خدا کی عظمت و جلال کا اظہار قیامت کے ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پر اثر بیان رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔ (۳)۔ غرض عقائد کے تمام اجزاء اگرچہ آغاز اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن مکی آیتوں کے استقصاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر زور توحید قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے لیکن مدینہ میں آ کر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اصول اولین کے متعلق سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے:

الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما

رزقنـاهم ینفقون والذین یؤمنون بما انزل الیك وما

انزل من قبلك و بالاخرہت هم یوقنون۔

جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔نماز کھڑی کرتے ہیں ہم نے

جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جو ایمان رکھتے

ہیں جو (اے محمد ﷺ) تجھ پر اتاری گئیں اور تجھ سے پہلے

نازل ہوئیں اور انکو آخرت پر بھی یقین ہے۔

وسط سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں۔

لـکـن البـر مـن امـن بـالله والیوم الاخر والملئکہت

والکتب والنبیین۔

لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر کتاب

پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔یہ آیتیں تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ ۲ھ میں نازل ہوئیں۔اسی کی تفصیل سورہ کے آخر میں کی گئی ہے۔یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالبًا نازل ہوئیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی روایتوں سے ثابت ہے۔

---

(۱)۔ اضافا ختم "باب تیمم" (۲)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ مدثر۔ (۳)۔ بخاری باب تالیف القران۔

امـن الـرسـول بـما انزل الیه من ربه والمئومنون کل

امن بالله وملئکته وکتبه ورسله۔

پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اترا اور

تمام مسلمان خدا پر خدا کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس

کے پیغمبروں پر سب پر ایمان لائے۔

سورۂ نسا کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ان

کے کیا عقائد ہونے چاہئیں۔

یاایہا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی
نزل علی رسولہ والکتب والذی انزل من قبل ط
ومن یکفر باللہ و ملکتہ و کتبہ و رسولہ والیوم الاخر
فقد ضل ضلالا بعیدا۔ (پ ۵ ع ۱۷)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! ایمان لاؤ خدا پر اس کے
رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور
اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور
اسکے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا اور اسکے پیغمبروں کا اور روز
آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن میں لوگوں نے آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیۓ ہیں اور آپ ﷺ نے مسائل کی یا وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیۓ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا کہ میں اس وقت لڑوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے' محمد ﷺ خدا کا پیغمبر ہے۔ نمازیں پڑھیں اور زکوۃ دیں۔

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے تین چیزیں بتائیں۔ ''رات دن میں پانچ وقت کی نماز' رمضان کے روزے اور زکوۃ۔'' عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ میں حاضر ہوکر عرض کی ہم دشمنوں کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے اس لیۓ ایسے احکام بتا دیۓ جائیں۔ جو ان لوگوں کو بھی سنا دیۓ جائیں جو شرف حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

شہادہت ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ

دینا حج کرنا‘ رمضان کے روزے رکھنا۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے ایک دفعہ فرمایا کہ بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔ ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔ یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیئے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیئے پسند کرتے ہو۔ (۱)۔

غرض اسلام کے تمام اصول وفروغ کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخری ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا۔ (۲)۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔

آج ہم نے تمہارا مذہب مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

عبادات

اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی۔ ان میں سے توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزیں نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوۃ عبادت میں داخل ہیں‘ اس میں سب سے اول شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لیئے متعدد شرطیں ہیں۔ سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔

طہارت ::

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو‘ طہارت کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا

پر عمل تو پہلے سے تھا' لیکن قرآن میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال بعد نازل ہوئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدءاً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے کچھ حصہ بھیگتا تھا' کچھ نہیں بھیگتا تھا ۶ھ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپ ﷺ مکہ سے واپس آ رہے تھے کچھ لوگ جھپٹ کر تالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی ہاتھ منہ دھو لیا' ایڑیاں کچھ بھیگیں' کچھ خشک رہیں آپ ﷺ نے فرمایا(۳)۔

ویل الاعقاب من النار اسبقوا الوضوء

ان ایڑیوں پر دوزخ کی پھٹکار ہے وضو کو کامل کرو۔

اس وقت سے اسباغ "یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار دیا گیا اسباغ وضو کے فضائل آپ ﷺ نے بیان فرمائے۔ ابتداً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے' لیکن آخر عام مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت (۲)۔ضروری نہ رہا اور اس کا اعلان آپ ﷺ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا(۴)۔

تیمم ::

وضو کے لیئے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنا مشکل ہے' نیز بیماری کی حالت میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے۔اس لیئے ۵ھ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی:

وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ ط ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ولیتم نعمتہ' علیکم لعلکم تشکرون

(مائدہ۔۲)

اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے
آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میسر نہ
آئے تو طاہر مٹی لے کر تیمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح
کرلو۔ اللہ تم پر کسی طرح تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم
کو پاک و صاف کردے اور اپنا احسان تم پر پورا کردے تا کہ
تم شکر گزار بنو۔

(۱)۔ ابن ہشام و فتح الباری مغازی ابن المعیہ و امام احمد جلد ٤ صفحہ ١٦١ و ابن ماجہ۔ (۲)۔ فتح الباری جلد ١ صفحہ ٢٠٥ و طبرانی فی الاوسط۔ (۳)۔ صحیح مسلم و جوب غسل الرجین۔ (٤)۔ فتح الباری بحوالہ ابوداؤد احمد۔ (٥)۔ صحیح مسلم۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ نبوی مصطلق (۵ھ) سے آپ ﷺ واپس آ رہے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں' مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنینؓ کا ہار کہیں گر گیا۔ سارا قافلہ وہیں اتر پڑا نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا' تمام صحابہ پریشان خاطر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی۔ اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی۔ اسیدؓ بن حضیر ایک صحابی نے کہا۔ ''اے آل ابی بکر تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو۔''

نماز ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی۔ چنانچہ دوسری ہی وحی میں حکم ہوا۔

وربك فكبر۔ (مدثر)

اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر۔

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے اعلانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے صرف رات

کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا۔ دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی چنانچہ سورۃ مزمل میں جو ابتدائی سورتوں میں سے ہے یہ حکم بہ تصریح مذکور ہے۔

یایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا اوزد علیہ ورتل القران ترتیلا انا سنلقی علیک قولا ثقیلا ان ناشئۃ الیل ھی اشدوطار واقوم قلیلا ان لک فی النہار سبحا طویلا واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا (مزمل۔ ۱)

اے کملی اوڑھ کر سونے والے رات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات اس نصف سے کسی قدر کم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ' ہم تجھ پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں' رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لیئے مناسب بھی زیادہ ہے دن کو تجھ کو زیادہ شغل رہتا ہے اپنے پروردگار کا نام لے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہورہ۔

اس کے بعد صبح وشام کی دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔

واذکر اسم ربک بکرۃ واصیلا ومن الیل فاسجد لہ وسبحہ لیلا طویلا۔ (دہر)

صبح وشام خدا کا نام لیا کر اور رات کے وقت دیر تک خدا کے آگے سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر۔

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اس پر عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ

(۲)۔ ہوگئی اور حکم ہوا۔

---

(۱)۔ نماز کے بیان میں محدثین مختلف الرائے ہیں۔ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۱ صفحہ ۳۹۳) میں جو خلاصہ مباحث نقل کیا ہے' اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی' حربی کی رائے ہے۔ کہ صبح و شام دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی۔ بعد ازیں فاقرو واما تیسر من القران کی آیت سے یہ منسوخ ہو گیا اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی' اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔ ہم نے نماز کی تاریخ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان ربك يعلم انك تقوم ادنى من ثلثى اليل ونصفه وثلثه طائفهت من الذين معك ط و الله يقدر الليل والنهار ط علم ان لن تحصوه فتاب عليكم فاقرئوا ما تيسر من القران ط علم ان سيكون منكم مرضى واخرون يضربون فى الارض يبتغون من فضل الله و اخرون يقاتلون فى سبيل الله فاقرئوا ماتيسر منه۔

تیرا پروردگار جانتا ہے کہ دو تہائی رات سے کم اور آدھی رات اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے اس لیئے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے تم پر اس نے مہربانی کی اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن نماز میں پڑھو' اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہونگے مسافر بھی ہونگے جو خدا کی روزی ڈھونڈ نے کو سفر کریں گے' لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد فجر' مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔

اقم الصلوہت طرفی النہار وزلفا من اللیل۔

(ہود: ۱۰)

دن کے دونوں ابتدائی اور انتہائی کناروں میں (یعنی فجر و مغرب) اور رات تھوڑی گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔

معراج میں جو نبوت کے پانچویں (۱)۔ سال ہوئی' پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں (۲)۔ اور سورۂ اسراء میں معراج کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ آیت اتری:

اقم الصلوہت لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقران الفجر ط ان قران الفجر کان مشھورا ومن اللیل فتھجل بہ نافلہت لک۔

نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لے کر ظلمت شب تک ہیں۔ (ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تہجد' یہ تیرے لیئے مزید ہے۔)

لیکن رکعتیں دو ہی رہیں' مدینہ منورہ میں آ کر جب نسبتاً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کی بجائے چار رکعتیں فرض ہوگئیں۔ (۳)۔

بایں ہمہ نماز میں وخشوع اور تمکین ووقار کے جو ارکان ضروری ہیں ان کے لیئے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا' اس لیئے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالآخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مابال اقوام یرفعون البصر الی السماء فی صلوتھم

(۴)۔

یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) جو بیان کی ہے وہ انہی چند سطروں کی تفصیل ہے جس کی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتوں سے کر دی گئی ہے۔ اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید میں اوقات نماز کے مختلف بیانات کیوں ہیں (س) (۲)۔ ابو داؤد فی الصلوٰۃ اللیل مسند احمد جلد ٦ صفحہ ٥٤ (حواشی صفحہ ھذا) (۱)۔ ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے نویں سال میں ہوئی "س" (۲)۔ فتح الباری مصری جلد صفحہ ٥٥ (۳)۔ صحیح بخاری باب الھجرت۔ (٤)۔ کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ۔

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہہ دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے۔ پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے۔ جب مہاجرین حبش ٦ھ واپس آ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مشغول تھے معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا لیکن جواب نہیں ملا۔ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو۔ (۱)۔" اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

معاویہ بن حکم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی' ایک صاحب کو چھینک آئی' میں نے یرحمک اللہ کہا' لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا' میں نے کہا۔ آپ ﷺ لوگ کیا دیکھتے ہیں؟ لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے' اس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ میں چپ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر (خلق احمدی) سے مجھ کو نہ سزا دی نہ ڈانٹا نہ برا کہا۔ صرف یہ فرمایا کہ نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت کا نام ہے اس میں بات چیت جائز نہیں۔ (۲)۔

تشہد کا جو طریقہ اب ہے پہلے نہ تھا۔ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے' السلام علی فلاں وفلاں' بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے' جو اب نماز میں معمول بہا ہیں ۔(۳)۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ چھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے' سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے' دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے۔ حضرت عائشہؓ باہر سے آتیں اور دروازہ کھٹکھٹاتیں۔ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے عین اسی حالت میں جا کر دروازہ کھول دیتے ۔(۴)۔ ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں۔ نفل کی تخصیص اس لیئے کہ جن نمازوں میں آنحضرت ﷺ نے افعال کیئے وہ فرض نہ تھیں بلکہ نفل تھیں' لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں۔ ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ امامہ بنت ابوالعاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی ۔(۵)۔ ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اسی زمانہ کی ہیں جبکہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کی حرکات ممنوع نہیں قرار پائے تھے۔ رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حدود کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری قد افلح المئومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون. (یعنی فلاح پانے والے مسلمان وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں' اور اس بناء پر نماز میں ادھر ادھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح ادا نہیں کیئے تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی جا کر پھر پڑھو۔ اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ نماز نہیں ہوئی۔ تیسری دفعہ اس نے پوچھا کہ " کیونکر

پڑھوں؟'' آپ نے رکوع' سجدہ' قیام سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کیئے جائیں۔ چنانچہ صحیح بخاری (٦)۔ وغیرہ میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

---

(١)۔ ابوداؤد کتاب الصلوۃ۔ (٢)۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشہد۔ (٣)۔ ابوداؤد کتابا لصلوٰۃ باب العمل فی الصلوٰۃ۔ (٤)۔ ایضًا (٥)۔ صحیح بخاری باب امر النبی ﷺ من لا ئیم الصلوٰۃ باب الاعادہ۔ (٦)۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ۔

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا۔ بارہ آدمیوں کے سوا جس قدر لوگ نماز میں شریک تھے' اٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے اس پر یہ آیت اتری: (١)۔

واذا روا تجارہت اولھوا انفضوا الیھا وترکوک قائماط قل ماعنداللہ خیر من اللھو ومن التجارہت۔ (جمعہ۔ ٢)

اور جب لوگ تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے۔

اور یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت وتعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت میں تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہیں نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا' اس کی لذت معنوی اس درد زخم سے زیادہ تھی' اس سے بڑھ کر یہ کہ) حضرت عمر فاروقؓ نماز میں زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہیں۔ یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑ کر نہیں دیکھتا' کیونکہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلوں پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا۔

نمازعیدین اور جمعہ ::

مکہ میں چار شخصوں کا یکجا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا۔ اس لیئے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے' لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہوسکتا تھا) اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آ چکے تھے۔ اسعدؓ بن زرارہ کی تحریک سے بنی بیاضہ کے محلّہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا (۱)۔ کی۔ مصعبؓ بن عمیر امام تھے اور کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں سے روانگی کے لیئے آپ ﷺ نے قصداً جمعہ کا دن متعین فرمایا۔ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اواخر ربیع الاول اھ کا واقعہ (۲)۔ ہے۔ مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی یکجا تعداد سب سے زیادہ تعداد جواثی میں تھا۔ جو بحرین میں واقع تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہیں قائم (۳)۔ ہوئی' لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آ گئے سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ جماعت میں صرف بارہ آدمی اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی رہ گئے۔ (۴)۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں :

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب البیوع تفسیر آیت مذکور۔ (۲)۔ ابوداؤد ابن ماجہ و دارقطنی کتاب الجمعہ نیز عبدالرزاق و احمد خزیمہ حسب حوالہ فتح الباری۔ (۳)۔ طبری صفحہ ۱۳۵۶۔

یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون . واذا او تجارۃ او لھوان انفضوا الیھا وترکوک قائما ط قل ما عنداللہ خیر من اللھوا ومن التجارۃ واللہ خیر الرازقین۔

(جمعہ)

ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیئے پکارا جائے تو یاد الٰہی کی طرف دوڑ اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تم کو علم ہو۔ جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین میں چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو اور خدا کو کثرت یاد کیا کرو تا کہ فلاح پاؤ جب لوگ تجارت اور کھیل تماشہ دیکھ پاتے ہیں تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہیں اور تجھ کو اے پیغمبر کھڑا چھوڑ دیتے ہیں' کہدے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کے دولت کا خزانہ بھی ان کے آگے ہیچ ہو گیا۔ خدا نے ان کی مدح فرمائی:

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔

(نور۔ ا)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید وفروخت خدا کی یاد سے

غافل نہیں کرتی۔

عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آ کر قائم ہوئی' لیکن جس سال آپ ﷺ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہیں ہوئی بلکہ ۲ھ میں مسنون (۱)۔ ہوئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز' روزہ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

(۱)۔ طبری ص ۱۲۸۱ یورپ۔

صلوٰۃ خوف ::

(نماز کسی حالت میں قضا نہیں کی جا سکتی۔ خوف کی حالت میں مثلاً جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ پہلے ایک جماعت ہتھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور نماز قصر ادا کرے پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے۔ امام اپنی جگہ پر قیام کرے۔ روایتوں میں ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے۔ یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے۔ ابوداؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں بروایت صحابہ الگ الگ لکھ دی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے' یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے۔ امام جس وقت جو مناسب سمجھے کرائے۔ اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا' سورۂ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت بہ تفصیل مذکور ہے۔ صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ میں نازل ہوا' اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوۂ نجد بتایا ہے۔ ابوداؤد میں ابوعیاش زرقی کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان میں نازل ہوئی یعنی ۶ھ میں لیکن زیادہ تر رواۃ حدیث اور اہل سیر غزوہ ذات الرقاع کو

اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔(۱)۔

روزہ ::

اسلام سے پہلے قریش عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف (۲)۔چڑھایا جاتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اورعجب نہیں کہ آپ کی تبعیت میں دوسرے صحابہ بھی روزے رکھتے ہوں۔۵نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفرؓ نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے'وہ غالبا اسی دن کا روزہ ہوگا)اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔آپ نے لوگوں سے وجہ پوچھی'لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ نے اسی روزفرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔تو ہم کو موسیٰ کی تقلید کا زیادہ حق ہے۔چنانچہ آپ ﷺ نے (یہاں بھی) عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔پھر ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ مستحب ہوگیا'یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھتا تھا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا (۳)۔تھا لیکن آپ نے بنفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا۔اا ھ میں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہیں۔فرمایا آئندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھوں گا'لیکن افسوس کہ آپ ﷺ نے اسی سال وفات پائی۔

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے۔عورت کے ساتھ ہم بستری بھی منع تھی'ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے۔اسلام کے تمام احکام میں سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ)

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں۔

لا صرورہت فی الاسلام (ابوداؤد' احمد)

اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

احل لکم لیلہت الصیام الرفث (۵)۔ الی نسائکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔ (بقرہ۔۲۳)

روزے کی راتوں میں تمہارے لیئے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے (جب تک) صبح کی سپید لکیر (رات) کی سیاہ لکیر سے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو۔

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے۔ اول اول روزہ ان پر شاق ہوا۔ اس لیئے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے

---

(۱)۔ دیکھو کتاب احادیث صلوۃ الخرف اور طبری ج ٤ صفحہ ٤٥ ابن سعد ج ۲ صفحہ ٤٣۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۲٤ (معجم کبیر طبرانی) (۳)۔ ابوداؤد کتاب الصوم۔ (٤)۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری' صحیح مسلم اور ابوداؤد کتاب الصوم میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ (۵)۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب مبداء فرض الصیام واسباب النزول للسیوطی صفحہ ۲۷۔

روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری:

فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ (۱)۔

جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور روزہ رکھے۔

اب بالیقین روزہ فرض ہوگیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی' البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے لیئے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضاء کر دے چونکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی' اس لیئے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزے میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے لیکن آنخضرت ﷺ وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آنخضرت ﷺ سفر میں تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات (۲)۔ نہیں۔ بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا' یعنی رات دن روزہ رکھیں' بیچ میں افطار نہ کریں۔ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

روزہ کا مقصد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے اس لیئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا۔ سفر میں اور بیماری میں روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔

راتوں کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی' سحری کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تا کہ دن بھر قوت باقی رہے۔

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کف نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا اس لیئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا' خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں۔ (۳)۔

زکوٰۃ ::

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتداء ہی سے معمول بہ تھی۔ مکہ میں

جو سورتیں اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے اور خیرات نہ دینے والے پر عتاب ہے۔

ارایت الذین یکذب بالدین . فذلک الذی یدع الیتیم. ولا یحض علی طعام المسکین. (ماعون)

تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے یہی شخص وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔۲ھ میں عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار (۴)۔ پایا ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے۔حدیثوں میں صحابہ کے فقر و تنگدستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں اسی زمانہ کے ہیں۔اس بناء پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف ہے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیئے ورنہ عذاب ہوگا۔چنانچہ خاص آیت نازل (۵)۔ہوئی۔

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الصوم۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الصوم۔ (٤)۔ طبری مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۲۸۱۔ (۵)۔ صحیح بخاری مقولہ حضرت عبداللہؓ بن عمر۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔(توبہ)

جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ (بقرہ)

لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں کہہ دو کہ جو کچھ
مصارف ضروری سے بچ رہے۔

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے' لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے' بے کار یا ردی چیزیں خیرات میں دیتے تھے اس پر حکم ہوا:

یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما
اخرجنا لکم من الارض۔ (بقرہ)

مسلمانوں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے
تمہارے لیئے زمین میں پیدا کیا اچھا حصہ خیرات کرو۔

مزید تاکید کے لیئے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا اس کو ثواب نہ ملے گا۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مام تحبون۔ (آل عمران)

تم لوگ ثواب نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نہ کرو جو
تم کو عزیز ہو۔

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیئے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھ لاد کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔(۱)۔

بایں ہمہ ۸ھ تک زکوۃ فرض نہیں ہوئی' فتح مکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوۃ کے وصول کرنے کے لیئے (محرم ۹ھ میں) محصلین مقرر (۲)۔ کیئے۔ زکوۃ کے مصارف حسب ذیل تھے:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا
والمئولفہت قلوبھم وفی الرقاب والغاربین وفی

سبیل اللہ وابن السبیل ط فریضۃ من اللہ ط

واللہ علیم حکیم۔ (توبہ)

زکوٰۃ ان مصارف کیلئے ہے فقراء ومساکین زکوٰۃ کے وصول

کرنے والے مؤلفۃ القلوب غلام جن کو آزاد کرانا ہے

مقروض مسافر اور خدا کی راہ میں یہ خدا کا فرض ہے اور خدا

علیم وحکیم ہے۔

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی ﷺ میں منقول ہے' فقہ میں کتاب الزکوٰۃ ان ہی فرامین سے ماخوذ ہے۔

حج ::

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہاں آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی۔

(۱)۔ بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ (۲)۔ طبری مطبوعی یورپ جلد ٤ صفحہ ۱۷۲۲ (ابن سعد جز مغازی صفحہ ۱۱۵)

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا

وطھر بیتی لطائفین والقائمین والرکع السجود

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل

ضامر یاتین فی کل فج عمیق . لیشھدوا منافع لھم

ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات (حج)

اور جبکہ ہم نے ابراہیم کیلئے کعبہ کی جگہ مقرر کردی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع اور سجود کرنے والوں کیلئے پاک وصاف رکھ اور حج کی منادی کردے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے کچھ پیدل اور کچھ اونٹنیوں پر سوار تاکہ فائدہ اٹھائیں اور تاکہ ایام مقرر میں خدا کا ذکر

کریں۔

حضرت ابراہیم کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا وہ تین سو ساٹھ بتوں کا تماشہ گاہ بن گیا' دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔ بالآخر ظہور حق کا وقت آیا مکہ ختم ہوا اور جانشین ابراہیم اور ان کے متبعین کو موقع ملا کہ شعار ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے چنانچہ ۹ھ میں حج فرض ہوا۔ (۱)۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہیں فرما سکتے تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ایام حج میں روانہ ہو گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کر دیں کہ آئندہ سے کوئی شخص عریاں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔ (۲)۔

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذوقعدہ میں آ گیا تھا۔ چنانچہ ۹ھ کا حج اسی مہینہ میں ادا ہوا تھا' لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آ گیا۔ (۳)۔

حج کی اصلاحات ::

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم کر رکھی تھی' لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعات اضافہ کر دیئے تھے کہ ثواب کی بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے' لیکن اہل عرب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے۔ اسی بناء پر یہ آیت اتری:

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اباء

کم او اشد ذکرا(بقرہ (۴)۔

پھر جب حج کے ارکان پورے کرلوتو خدا کاذکر کرو جس طرح

اپنے باپ دادا کا کرتے تھے' بلکہ اس سے بڑھ کر۔

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا اس کا طواف کرتے تھے اوراس بناء پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے تب بھی صفاومروہ کا طواف نہیں کرتے تھے حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفاومروہ کا طواف اس عہد کی یادگار ہے۔اسی بناء پر یہ آیت اتری:

---

(۱)۔ زادالمعادج ۱ صفحہ ۱۸۰ (۲)۔صحیح مسلم کتاب الحج باب لایحج البیت مشترک ولا یطوف بالبیت عریان۔ (۳)۔ آنحضرتﷺ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے تھے۔ الزمان قداستدار کھیتہ یوم خلق السموات والارض اثنا عشر شہر امنہا اربعہ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدہ ذوالحجتہ والمحرم و رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان اس سے اسی طرف اشارہ تھا۔ (٤)۔ اسباب النزول للواحدی۔

ان الصفاء والمروہت من شعائرہ اللہ ط فمن حج

البیت اواعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھا۔

(بقرہ۔۱۹)

صفااورمروہ خدا کی یادگار ہیں اس لیئے جو شخص جو حج یا عمرہ

کرے تو اس کو دونوں مقاموں کو بھی طواف کرنا چاہیئے (۱)۔

ایک طریقہ یہ رائج ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زادسفر نہیں ہوتا تھا' یونہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ان لوگوں کو اکثر راہ میں گداگری اور دوستوں کی دست گیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا۔اس بناپر یہ

آیت نازل ہوئی:

وتزددوا فان خیر الزاد التقوی (۲)۔(بقرہ)

اور گھر سے زادِ سفر لے کر چلو کیونکہ اچھا زادِ سفر تقوی ہے۔

احرام حج میں سر کے بالوں کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس میں اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہوگیا۔تاہم دوبارہ بال نہ ترشوا سکے۔اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اس کی عبادت اور احکام تکلیف مالا یطاق نہ بن جائیں اس لیئے یہ حکم ہوا:

فمن کان منکم مریضا او اذی من راسہ ففدیہت من صیام او صدقہت او نسک۔

تو جو شخص بیمار ہو یا اسکے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کردے یعنی روزہ یا خیرات یا قربانی۔

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے درودیوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے۔اس پر آیت نازل ہوئی (۳)۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم (حج)

خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا کہ قربانی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے وہ تقوی اور پرہیزگاری ہے۔

رسوم حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل

حرم ہیں' ہم حدودِ حرم سے نہیں جا سکتے یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے اس لیئے وہ صرف مزدلفہ تک جا کر ٹھہر جاتے تھے باقی تمام عرب عرفات میں جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منٰی میں آتے تھے چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساوات عامہ ہے اور عبادات میں سب یکساں ہیں اس لیئے حکم آیا کہ۔ (۴)۔

---

(۱)۔ قرآن مجید میں جناح کا لفظ اس کا عام ترجمہ "ھرج" یا نقصان ھے۔ اس بنا پر ترجمہ یہ ھونا چاھئیے کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کچھ ھرج نہیں' لیکن لاجناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں بھی آیا ھے۔ (۲)۔ بخاری کتاب الحج باب تزدد و افان خیر الزاد التقوی۔ (۳)۔ تفسیر بیضاوی بیاسم یھودیوں سے آئی تھی' لاد میں ۱۷۔۶ تاریخ دوم ۲۹۔۲۲۔ (٤)۔ صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الحج صفحہ ۳۲٦

فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کماھداکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم۔ (بقرہ)

پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو جس طریقہ سے اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے بے شک تم گمراہ تھے پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو وہ غفور اور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے اس لیئے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے یہ رسم اسلام کے آنے تک قائم رہی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "سوار ہو تو" بولے۔ "یہ قربانی کے اونٹ ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ

فرمایا۔انہوں نے دوبارہ وہی عذر کیا۔آپ ﷺ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ" بیٹھ لو۔(۱)۔

ایک قسم کا حج ایجاد کرلیا تھا جس کو حج مصمت کہتے تھے'یعنی جو شخص حج کرتا تھا وہ آغاز حج سے اخیر تک منہ سے کچھ بولتا نہ تھا۔اسلام نے اس تکلیف مالا یطاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے احمس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا۔دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی۔دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مصمت کی نیت کی ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ جائز نہیں' یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔(۲)۔

سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سوا عام عرب مردوزن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے حدود حرم میں آکر تمام لوگ اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے اور عاریتاً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے۔اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے'عورتیں بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله

وما بدامنه فلا احله

آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھلے گا

اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی

اس پر یہ آیت نازل(۳)۔ہوئی:

يابنى ادم خذوا زينتكم عند كل مسجد (اعراف)

اے آدم کے بیٹو! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔

(اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بھیجا۔انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا۔(۴)۔

(١)۔ بخاری کتاب الحج۔ (٢)۔ بخاری جلد ١ صفحہ ٥٤۔
(٣)۔ یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی کتاب مناسك الحج میں ھے۔
(٤)۔ صحیح مسلم و صحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابوں میں باب لایطوف بالبیت عریاناً میں مذکور ھے۔

معاملات::

شریعت کی تکمیل میں جو تدریج ملحوظ رہی اس کے لحاظ سے وراثت' نکاح وطلاق و قصاص وتعزیرات (وغیرہ) کے احکام بعثت سے بہت بعد آئے۔ سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجراء کے لیئے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی جو اب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشوونما شروع ہوا ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحویل قبلہ' فرضیت روزہ' زکوٰۃ فطر' نماز عید اور قربانی تھی۔ تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریت کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

وراثت ::

مسلمان جب ابتداء مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے' ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے۔ اس حالت میں اقرباء اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہوسکتا تھا؟ اس لیئے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاہ (برادری) قائم کر دی جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصار مرتا تو اس کی وراثت مہاجرین کو ملتی۔ (١)۔ عرب میں پہلے دستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عہد کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا اوارث ہوتا لیکن ٣ھ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا۔)

اولوا الارحام بعضهم اولی ببعض (انفال)

قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں۔

اس کی رو سے مواخاہ کی بناء پر وراثت ہو گئی اور خاندان اور ذوی الارحام میں وراثت محدود ہوگئی۔

آیت توریت کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا' یعنی مرنے والا اپنے مال و جائیداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے) مرنے کے بعد اسی طریقے سے اس کی جائیداد تقسیم کر دی جاتی۔ مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔

(۱)۔ یہ مفسرین کا بیان ہے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے نسوخ ہوا۔ (نساء) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر ن الوصیہت للوالدین والا قربین بالمعروف حقا علی المتقین۔ (بقرہ)

مسلمانوں تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیئے بطریق مناسبت وصیت کر جائے متقی لوگوں پر یہ فرض ہے۔

جو لوگ حالت مسافرت میں جاتے ان کے لیئے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانونا جرم تھا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوتی گئی' خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے۔ اس لیئے وراثت کے مخصوص قانون

کی ضرورت ہوئی۔ پھر وصیت کے قاعدہ میں بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائیداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا۔ مثلاً جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے اب کس کو معلوم ہے کس کو شہادت ہوگی۔ اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائیداد پر قبضہ کرلیتا۔ چنانچہ غزوہ احد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعدؓ بن الربیع جو بہت دولت مند صحابہ تھے (اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں کہ سعد آپ ﷺ کی خدمت میں شہید ہوئے' انہوں نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں' لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائیداد پر قبضہ کرلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا فیصلہ کرے گا۔ پھر غالباً ۴ھ میں یہ آیت نازل ہوئی (۱)۔ جس میں وراثت کے تمام احکام مذکور ہیں۔

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ الخ

خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے (آخر تک)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعد کے متروکہ میں سے دو تہائی ان کی بیٹیوں اور آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو۔ اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہے۔

اہل عرب عورتوں کو وراثت سے محروم رکھتے تھے کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے۔ دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی یہی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صنف ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت ::

احکام وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی' لیکن چونکہ اس سے مستحقین

وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا اس لیئے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ ۱۰ھ میں حضرت سعدؓ (عاد کے والد) بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کو گئے۔ انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میری صرف ایک ہی لڑکی ہے چاہتا ہوں کہ صرف دو تہائی مال خیرات کر دوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی، انہوں نے کہا تو نصف آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا ایک تہائی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی بہت ہے، وارثوں کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے وہ بھیک مانگتے پھریں۔ (۱)۔ تاہم یہ مقدار آپ نے جائز رکھی۔ اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی۔

(۱)۔ آیت میراث کی شان نزول میں احادیث میں تین واقعے مروی ہیں، اول یہ کہ حضرت جابرؓ ۱۰ھ میں بیمار پڑے تو آیت اتری۔ یہ روایت تمام تر صحاح ستہ میں ہے، لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی قدر مساحت ہوئی ہے کیونکہ وراثت ۱۰ھ سے پہلے جاری ہو چکی تھی اور دوسری یہ کہ حضرت جابرؓ اس وقت تک لاولد تھے اس لئے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت (یعنی کلالہ) سے متعلق ہے جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں میں (کتاب الفرائض) اس کی تصریح ہے۔ دوسرا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسانؓ کے بھائی عبدالرحمن کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہوں، تیسرا شان نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے جو ابوداؤد ترمذی، حاکم اور مستدرک میں مذکور ہے۔ (س)

وقف ::

وقف شریعت کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شائبہ تک موجود نہیں۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ

صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقہ وقف کا موجد ہے۔ اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبویﷺ کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو یتیموں کی ملکیت تھی آپ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

لا و اللہ لانطلب ثمنہ الا الی اللہ۔

نہیں ہم خدا کی قسم! قیمت نہ لیں گے۔ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا۔ چنانچہ امام بخاری اس حدیث کو وقف مشاع ومشترکہ جائیداد کا وقف کے ثبوت میں لائے ہیں۔اس کے بعد ۴ھ یا ۵ھ میں جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون تم نیکی اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دے دو جو تم کو سب سے محبوب ہے۔

تو ابوطلحہؓ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! بیر (۲)۔حا مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں۔آپﷺ جس مصرف میں چاہئیں اس کو رکھیں۔ چنانچہ آپﷺ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کیلئے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا' لیکن ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد اسکی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔خیبر میں حضرت عمرؓ کو ایک زمین ملی تھی'حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا' آنحضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپﷺ نے فرمایا:

ان شئت حلبست اصلہا و تصدق بہا۔

اگر چاہو اصل جائیداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔

چنانچہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائیداد وقف ہوئی۔(۳)۔

انہ لا یباع اصلہا ولا یوھب ولا یورث۔

اصل جائیداد نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں بانٹی جائے۔

نکاح وطلاق ::

نکاح کے متعلق جو اصلاح احکام آئے ان کی تفصیلات اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی' یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقے جاری تھے جن میں سے ایک کے سوا سب زناء کے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو جائز ٹھہرا۔ متعہ (۴)۔ جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۷ھ غزوۂ خیبر میں قطعاً حرام ہوگیا۔ اگر چہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر کہا کہ میں متعہ کو حرام کرتا ہوں یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہ ہوسکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔

---

(۱)۔ بخاری جلد ۱ کتاب الوصایا۔ (۲)۔ ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔ (۳)۔ یہ تمام حدیثیں بخاری باب الوقف میں ہیں۔ (۴)۔ محدود الوقت نکاح۔

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرمات شرعی کا بیان۔ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا' کثرت ازواج کی تحدید' تعداد طلاق کی تعیین' زمانہ عدت کا بیان' مہر کا ضروری ہونا' ظہار یعنی ایک طریق ء طلاق جس میں اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغ گوئی کا دعویٰ کرنا۔ یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی۔ یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے۔ کہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں

اوران کے نزول کا زمانہ ۴ھ اور ۵ھ ہے۔

حدود وتعزیرات ::

دنیا کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوئے' لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ میں ہی اتر چکا تھا۔ معراج کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا (بنی اسرائیل)

خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا چاہیئے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے' اس کی مدد کی جائے۔

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے' یہود جو اس ملک میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے' تورات کے حدود وتعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی اس لیئے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیئے بارگاہ نبوت کی طرف رجوع کیا۔ آپ ﷺ ان کے مقدمات تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صدہا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا اس لیئے غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آ چلا تھا' قصاص کا حکم نازل ہوا' یاد ہوگا کہ اطراف مدینہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے۔ ان دونوں میں بنونضیر معزز سمجھے جاتے تھے اس لیئے کوئی قریظی کسی نضیری کو

مار ڈالتا تو اس کو بنو نضیر مار ڈالتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تھا تو چھوہاروں کے سو وسق خون بہا دے دیتے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ لوگوں نے اس کا مرافعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر سورہ مائدہ کی چند آیتیں اتریں' ان میں سے ایک آیت (۲)۔ یہ ہے۔

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین
والانف بالانف والاذن بالاذن والجروح قصاص
ہم نے ان کو توراہ میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان'
آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے
بدلے کان اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم۔

---

(۱)۔ اضافہ تا ختم باب حلال و حرام۔ (۲)۔ ابو دائود کتاب الدیات۔

یہ حکم گو یہودیوں کے لیئے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا۔

یایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی۔
مسلمانو! تم پر مقتولین میں مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے۔

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیئے برابر کر دیا۔ یہودیوں میں خون بہا (دیت) کا قانون (۱)۔ نہ تھا لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا۔

فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء
الیہ باحسان (بقرہ)
اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف سے کچھ
معاف کر دیا جائے تو اس کی پابندی خوبی کی ساتھ کرنا اور

بطور احسن اس کو ادا کر دینا چاہیئے۔

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی۔ ۲ھ میں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا اور ایک مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتول کے بھائی کو خون بہا دے کر راضی کر لیا۔ اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بناء پر قتل شعبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے۔

وما کان لمئومن ان یقتل مئومنا الا خطا ج ومن قتل مئومنا خطاء فتحریر رقبہت مئومنہت ودیہت مسلمہت الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدولکم وھو مئومن فتحریر رقبہت مومنہت ط وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق فدیہت مسلمہت الی اھلہ و تحریر رقبہت مومنہت ط فمن لم یجد فصیام شھرین متتا بعین توبہت من اللہ و کان اللہ علیما حکیما و من یقتل مئومنا متعمدا فجزآء ہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔

کسی مسلمان کو سزا وار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے لیکن غلطی سے اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خون بہا اسکے وارثوں کو ادا کرنا چاہیئے لیکن یہ کہ وہ معاف کریں تو خیر اگر مقتول خود مسلمان ہو وہ کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرو اور اگر ایسی

قوم سے ہو جس سے تم نے معاہدہ کیا ہو تو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے۔ اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو' خدا علم اور حکمت والا ہے' اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکی جزاء دوزخ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا خدا اس پر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا اور اس کیلئے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ قصاص وقتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم ہے۔ حفاظت جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں اسکے بعد قتل خطاء مشابہ بہ قتل عمد کے خون بہا کی تحدید (۲)۔ فرمائی۔ قتل خطاء کا خون بہا اہل قریہ کیلئے ۴۰ دینار مقرر کیا۔ (۳)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر آیتہ علیکم القصاص۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الدیات' باب فی دیتہ الخطاشیہ العمد۔ (۳)۔ ابوداؤد دیات الاعضاء۔

۶ھ تک رہزنوں کیلئے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ۶ھ میں عکل وعرنیہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی۔ آنحضرت ﷺ نے شہر سے باہر چراگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چرواہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا اور مویشی لوٹ کر لے گئے۔ وہ گرفتار ہو کر آئے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا۔ گویہ برابر کا انتقام تھا۔ تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی اس لیئے خدا تعالی کی طرف سے عتاب ہوا اور ڈاکوؤں کیلئے علیحدہ احکام نازل ہوئے۔ (۱)۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ (مائدہ)

ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں یہ ہے قتل کیئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دیئے جائیں یعنی قید ہوں یا جلاوطن کیئے جائیں۔

جان کے بعد مال کا درجہ ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لیئے قطع ید کی سزا جاری تھی' اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ السارق والسارقہت فاقطعوا ایدیھما۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ چونکہ وہ شریف خاندان سے تھی اس لیئے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت اسامہؓ بن زید آنحضرت ﷺ کے بہت چہیتے تھے ان سے سفارش کرائی گئی۔ آپ ﷺ بہت برہم ہوئے اور لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ۔ تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقے کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگزر کرتے۔ خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کی۔ (۲)۔

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی۔ یہودیوں میں توراہ کی رو سے زانی کی سزا ''رجم'' یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی لیکن اخلاقی کمزوری کی بناء پر اس حکم کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہود آباد تھے۔ رجم کے بجائے انہوں نے یہ

سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ پر کالک لگا کر کوچہ و بازار میں اس کی تشہیر کرتے تھے‘ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ غالباً یہ ۳ھ کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے اپنا رواج بتایا۔ آپ ﷺ نے توراہ منگوا کر ان سے پڑھوایا۔ انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی۔ آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”خداوند یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے۔ میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں (۳)۔ گا۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کیا گیا۔

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الحدود باب المحاربہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری غزوہ الفتح۔ (۳)۔ ابوداؤد باب فی رجم الیہودمین۔

۵ھ میں سورۂ نور نازل ہوئی جس میں زناء کی سزا سو درے قرار دی گئی۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی اس کی تلاوت (۱)۔ منسوخ ہو گئی۔ بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو درے اور بیاہوں کے لیئے رجم کا حکم (۲)۔ ہے۔ چنانچہ ۷ھ میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گو لوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اس نے ترجیح دی اور مجمع عام میں آ کر بارگاہ نبوت میں عرض پرداز ہوا کہ یا رسول ﷺ اللہ! میں گنہگار ہوں‘ مجھے پاک کیجئے۔ آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی اور اس کے رجم کا حکم (۳)۔ دیا۔

شراب ۵ھ میں حرام ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب خوری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ چالیس درے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اسی درے کر دیئے تھے۔ (۴)۔

قذف یعنی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزاء ۵ھ میں نازل ہوئی۔ (۵)۔

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ
شھدآء فاجلدوھم ثمٰنین جلدۃ ولا تقبلوا لھم
شھادۃ ابدا۔ (نور)

جو لوگ پاک دامن عورتوں پر سزا کی تہمت لگائیں' پھر چارہ
گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی درے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی
نہ قبول کرو۔

دنیا میں تین چیزیں ہیں۔ جان' مال اور آبرو۔ جن حدود اور تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا وہ انہی تین چیزوں کے تحفظ کے لیئے ہیں۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قوانین کے نزول کے بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخوں میں فرمایا:

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان' مال اور آبرو اسی طرح قابل
حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر میں اس احاطہ حرم کے
اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہے۔"

حلال وحرام

ماکولات میں حلال وحرام ::

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی۔ مرداراور حشرات الارض تک کھاتے تھے۔ البتہ بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کو ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں عورتیں نہیں۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد عورت دونوں کھا سکتے ہیں اور وہ زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے۔ سورۂ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے۔ اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے لیکن ماکولات کی حلت وحرمت کے احکام مکہ میں اترنے شروع ہو چکے تھے چنانچہ سورۂ انعام میں مشرکین کے ان رسوم کی تردید کے بعد حکم آیا:

---

(۱)۔ صحیح بخاری رجم المحصن۔ (۲)۔ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔ (۳)۔ ۷ھ کی تحدید میں کہیں بہ تفصیل مذکور نہیں ہے۔ یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ مدینہ میں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے۔ (۴)۔ ابوداؤد اذاتتابع فی الخمر۔ (۵)۔ واقعہ افک اسی سال ہوا تھا اور یہ اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اس لیئے اس کیلئے ۵ھ کا زمانہ متعین کیا گیا۔

قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان تکون میتہت او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله به فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربك غفور رحیم۔

کہہ دے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے اس میں کسی کھانے والے

پر کوئی شے حرام نہیں ہے ہاں اگر حرام ہے تو مردار یا بہتا ہوا
خون یا سور کا گوشت کیونکہ یہ چیزیں ناپاک ہیں یا وہ گناہ کا
جانور جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے لیکن
جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہیں
ان میں سے کچھ کھاتے تو تیرا پروردگار معاف کرنے والا اور
رحم والا ہے۔

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مر جائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں' حالانکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔اس پر آیت اتری:

فکلوا مما ذکراسم اللہ علیہ ان کنتم بایاتہ مئومنین
ومالکم ان لا تاکلوا مما ذکراسم اللہ علیہ وقد
فصل لکم ما حرم علیکم (الانعام)

جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو' وہ کھاؤ۔جو خدا کا نام
لے کر ذبح کیا گیا وہ کیوں نہ کھاؤ خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے
اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی میں سورۂ نحل کی آیت فکلوا مما رزقکم اللہ نازل ہوئی جس میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا اور یہی چیزیں مردار' خون' سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں۔مدینہ طیبہ میں آ کر پہلے سورہ بقرہ میں انما حرم علیکم المیتہ تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیئے گئے۔عرب میں حلام وحرام کی تمیز کم تھی۔وحشت و جہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عالم غربت اور افلاس تھی۔اس لیئے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی' لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مر جائے۔

اس لیئے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہ سمجھتے۔ ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورۂ مائدہ میں مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو المنخنقۃ یا گردن ٹوٹنے سے مرا ہو والموقوذۃ یا اوپر سے گر کے مرا ہو والمتردیۃ یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو والنطیحۃ یا کسی جانور نے اس کو پھاڑ ڈالا ہو۔ وما اکل السبع صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا۔ الا ما ذکیتم

۷ھ میں جب مسلمان کو خیبر کی فتوحات اور جاگیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال و حرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے۔ یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا اس پر یہ آیت اتری:

یسئلونک ماذآ احل لھم قل احل لھم الطیبات۔

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا حلال کیا گیا کہہ دے کہ تمام ستھری چیزیں۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔ (۱)۔

شراب کی حرمت ::

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازدواج وغیرہ) نفس پرستی کے مؤید تھے اس لئے عرب کو اس کے قبول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا بلکہ اسلام وہ کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی

لا تقربوا الصلوة وانتم سكاری حتی تعلموا ما تقولون۔ (نساء)

نشہ کی حالت میں تم نماز نہ پڑھو۔ یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو بھی سمجھ سکو۔

---

(۱)۔ حوالوں کے لیئے ان آیتوں کے شان نزول تفسیروں میں دیکھو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز میں نہ شامل ہونے پائے (۱)۔ لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا اسلیئے نماز کے سوا باقی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی دعا کی۔ اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت (۲)۔ پہنچ گئی۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (۳)۔

یایها الذین امنوا انما الخمرو المیسر والا نصاب و الا ازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة و البغضاء فی الخمر و المیسر ویصد کم عن ذکر الله عن الصلوة فهل انتم منتهون (مائده)

مسلمانو! بے شبہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم اس سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو تم باز آتے ہو۔

ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی گلی کوچوں میں منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے لیکن بایں ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی۔ ۸ھ میں یہ بھی حرام ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے اس وقت اعلان کیا۔ (۴)۔ اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ ﷺ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت فرمائی، جن کا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ و رسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام (۵)۔

خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کردی۔

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی، بایں ہمہ ابھی تک یہ نہیں متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے؟ محدثین اور ارباب روایت کی اس امر میں نہایت مختلف آراء ہیں۔ (۶)۔

---

(۱)۔ یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ میں مذکور ہے۔ (۲)۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ ذکر سعد وقاصؓ۔ (۳)۔ ابوداؤد میں پوری آیتیں نہیں مذکور ہیں بلکہ چند الفاظ نقل کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ (۴)۔ صحیح بخاری تفسیر الربوا اماء صحیح مسلم باب تحریم مع الخمر میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اواخر سورئہ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا یہ آیتیں ۸ھ میں نازل ہوئی۔ "س" (۵)۔ صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتتہ والاصنام۔ (۶)۔ سیرت النبی جلد اول میں حرمت شراب کی دو تاریخیں مختلف مقامات پر لکھی گئی ہیں۔ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے دوسرا علامہ بن حجر کی تحقیق ہے لیکن مصنفین سیرت النبی ﷺ کی اصلی تحقیق یہاں مذکور ہوئی ہے اور وہ اس باب میں عام محدثین کے ساتھ ہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا "س"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب التفسیر سورہ مائدہ باب لیس علی الذین آمنوا میں لکھتے ہیں:

والذی یظھر ان تحریمھا کان عام الفتح منه ثمان کما روی احمد من طریق عبدالرحمن بن وعلہت قال سالت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صدیق من ثقیف او دوس فلقیه یوم الفتح براویہت خمر یھدیھا الیه فقال یا فلان اما علمت ان اللہ حرمھا۔ الخ

اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانے ۸ھ میں ہوئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے عبدالرحمن بن وعلہ کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے تو انہوں نے کہا کہ آنحضرتﷺ کے ایک دوست تھے جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے وہ آنحضرتﷺ سے فتح مکہ میں ملے اور ایک مشک شراب تحفہ میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں۔ اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہیں معلوم ہوا (۱)۔ تھا۔ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی، بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔ علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز

۸ھ تک حلال رہتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی حقیقت میں شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہو چکی تھی۔(۲)۔

---

(۱)۔ مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے ثقیف کا قبیلہ ۸ھ میں مسلمان ہوا اور دوس گو بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے' اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جس کی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہیں کی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ ہم متن میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ شراب کا پینا گو ۴ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے۔ شراب کی خرید و فروخت ممانعت رباء کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی اور رباء کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی' یعنی ۸ھ میں شراب نوشی کی ممانعت مدینہ میں اسی وقت کر دی گئی' لیکن اس کا عام اعلان آپ نے فتح مکہ کے زمانہ میں فرمایا' جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت ربا و باب بیع المیتہ والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸ھ میں نازل ہوئی وہ خود جلد صفحہ ۱۶۱ میں قاضی عیاض کے جواب میں لکھتے ہیں۔ قلت وتحمیل ان یکون تحریم التجارہ فیھاتا خرعن وقت تحریمھا واللہ اعلم۔ یعنی ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو۔ صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم بیع الخمر' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی' لیکن اس کے بعد حضرت عائشہ اور جابرؓ بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ابوسعید خدری یا ان کے بعد راویوں سے کسی قدر تسامح ہوا ہے' وھذا ھوالحق علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ میں شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے۔ وہ حدیث صحیح

مسلم (باب تحریم بیع الخمر) میں بھی ہے‘لیکن اس میں فتح مکہ میں شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے۔وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) میں بھی ہے‘لیکن اس میں فتح مکہ کی تعیین نہیں۔ (۲)۔سب سے بڑی دلیل اس کی یہ ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے ان کا کیا حال ہوگا؟ اس پر آیت لیس علی الذین امنوا نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا اور جنگ احد کا زمانہ بھی ہے۔بخاری تفسیر آیت مذکور میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔ صبح فاس غداهت احد الخمر فقتلوا من یومهم جمیعا شهداء وذلك من قبل تحریمها۔غزوہ احد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی اور یہ سب اسی دن شہید ہوئے‘یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔اس روایت کے ساتھ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ملاؤ جو اس کے بعد ہی واقع ہے۔فقال بعض القوم قتل قوم وهی فی بطنهم قال فانزل الله ولیس علی الذین امنوا۔حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی۔اس پر آیت اتری کہ مومنوں پر کچھ حرج نہیں۔”س“ (۱)۔اضافہ تا ختم سود۔ (۲)۔موطا امام مالك باب الربوا (۳)۔ابن جریر طبری آیت ربوا۔ (٤)۔صحیح مسلم باب الصرف۔ (۵)۔صحاح کتاب البیوع۔

سودخواری کی حرمت ::

سود(۱)۔خواری بھی ان اخلاق ذمیمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے تھے۔اس لیئے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔قریش عموماً تجارت پیشہ تھے۔ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے وہ غریبوں اور کاشت کاروں کو بھی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا‘ اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے (۲)۔۔ خود

آنحضرت ﷺ کے چچا عباس (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک (۳)۔ تھے۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجروں کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا۔ سب سے پہلے آپ نے چاندی اور سونے کے ادھار خرید و فروخت کو سود قرار (۴)۔ دیا۔ پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری:

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ (ال عمران)

مسلمانو! دگنا سود نہ کھایا کرو اور خدا سے ڈرا کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ (۵)۔ منع فرمایا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود ہے۔ سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اتری:

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ذالک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاء ہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ماسلف۔

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہونگے جس طرح شیطان کسی کو چھو کر مخبوط بنا دیتا ہے اس لیئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا پس جس کے پاس خدا کی طرف

سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آ گیا تو اس کو وہی لینا
چاہیے جو پہلے دیا۔

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے' جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے؟ اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا۔ یہاں صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے۔ بہر حال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ میں یہ آیت نازل ہوئی:

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مئومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رئوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔ (بقرہ)

مسلمانوں! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم سچے مومن ہو اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول نے لڑنے کے لیئے تیار ہو جاؤ' اگر باز آ جاؤ تو تم کو اپنے راس اعمال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو۔ نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

یہ آیت جب اتری تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا۔ (۲) ۔۹ھ میں اہل نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے' ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ''سود نہ لیں گے ۔(۳) ۔'' ذی حجہ ۱۰ھ میں حجتہ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے۔ آپ ﷺ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی (۴) ۔ ہے۔

(۱)ـ صحیح مسلم باب بیع القلاوہ فیھا خرز ـ (۲)ـ صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر ۱۲ (۳)ـ ابوداؤد باب اخذالجزیہ ـ (۴)ـ تفسیر آیت واتقوا یوما ـ (بقرہ)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

سال اخیر حجتہ الوداع اختتام فرض نبوت

ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء

اذا جاء نصر الله و الفتح ورايت الناس يدخلون في دين الله افواجا فسبح بحمد ربك واستغفره انه كان توابا۔

جب خدا کی مدد آ گئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر' خدا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہونی چاہیئے تھی' تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اس بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنی پوچھے۔ لوگوں نے مختلف معنی بتائے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا' وہ کم سن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی دھاڑیں بندھائی۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب وفات کا اعلان (۱)۔ ہے کہ استغفار موت کے لیئے مخصوص ہے۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہوگیا (۲)۔ تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس لیئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت (۳)۔ کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کی مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہر حال ذوقعدہ (۴)۔ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت ﷺ حج کے ارادہ سے مکہ

تشریف لے جارہے ہیں۔ یہ خبر

(۱)۔صحیح بخاری تفسیر سورۃ اذا جاء۔ (۲)۔ واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ یہ سورہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے دو برس پہلے اتری لیکن ابن قیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ ۱۰ ھ میں اور عین ایام تشریق میں اتری (یہ دوسری روایت اصل میں بیہقی کی ہے اور ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس لیئے واحدی کی روایت صحیح ہے۔ سیوطی نے بھی اسباب النزول میں مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی۔ تصریحات ائمہ و اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کے طرز بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہے یعنی حجتہ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت و درایت دونوں حیثیتوں سے ضعیف ہیں "س" (۳)۔سنن ابن ماجہ میں ہے (باب حجتہ النبی ﷺ) کہ ہجرت سے پہلے آپ ﷺ نے دو حج فرمائے۔ بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی باب کم حج النبی ﷺ اور ابوداؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت۔ (٤)۔ابوداؤد اور صحیح مسلم میں حجتہ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقرؒ نے حضرت جابرؓ سے جب وہ نابینا ہو گئے تھے تو آنحضرت ﷺ کے حج کا حال پوچھا' حضرت جابرؓ نے آل رسول ﷺ کی محبت سے امام باقرؒ کے گریبان کے تکمے کھولے اور ان کے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا بھتیجے! پوچھا کیا پوچھتے ہو؟ پھر

دفعتاً پھیل گئی اور شرف ہم رکابی کے لیئے تمام عرب امنڈ آیا (سنیچر کے دن) ذوقعد کی ۲۶ تاریخ کو آپ ﷺ نے غسل فرمایا (۱)۔ اور چادر اور تہمد باندھی' نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہراتؓ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر (شب

پھر اقامت فرمائی' دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا' حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر عطر ملا (۲)۔) اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمت لک والملک لک لا شریک لک۔

اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں ہم حاضر ہیں تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے' اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

حضرت جابرؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی' آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا (۳)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی' وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنالی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے' سرف پہنچ کر غسل فرمایا' دوسرے روز اتوار کے روز ذوالحجہ کی چار تاریخ کو صبح کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن میں طے ہوا خاندان ہاشم کے لڑکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے۔ آپ ﷺ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا۔ (۴)۔ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا" اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی۔

اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

صفا پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

ان الصفا و المروہت من شعائر اللہ۔

صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔

(یہاں سے کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے۔)

لا الہ الا اللہ وحدہ (لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی كل شئی قدیر لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعد ونصرعبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

خدا کے سوا کوئی خدا نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں اس کیلئے سلطنت اور ملک اور حمد ہے وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا خدا' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہایت تفصیل سے حج نبویؐ کے تمام حالات بیان کیئے۔ اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباسؓ' حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں ھے اور امام نسائی نے کتاب المناسك میں آنحضرت ﷺ کی وقت و تاریخ کے لیئے باب باندھا ھے باب ابوقت الذی خرج فیہ النبی ﷺ۔ (حواشی صفحہ ھذا) (۱)۔ صحیح بخاری و مسلم۔ (۲)۔ غسل کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجتہ الوداع میں ھے (س ۱۲٤) (۳)۔ کم و بیش ایك لاکھ مسلمان شریك حج تھے۔ (٤)۔ نسائی باب استقبال الحج۔

صفا سے اتر کر مروہ پر تشریف لائے۔ یہاں بھی دعا و تہلیل کی' اہل عرب ایام حج میں عمرہ ناجائز سمجھتے تھے صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے' عمرہ تمام کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا بعض صحابہ نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری میں معذرت کی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ حضرت علیؓ کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے۔ اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے۔ چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیئے انہوں نے احرام نہیں اتارا۔ جمعرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے۔

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیئے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کی حدود میں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیئے تو ان کی شان یکتائی میں فرق آجائے گا' لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لیئے (خدا نے حکم دیا) ثم افیضوا حیث افاض الناس۔ آپ ﷺ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے (۱)۔ اور یہ اعلان کروا دیا۔(۲)۔

قفوا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراھیم۔

اپنے مقدس مقامات میں ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو۔

یعنی عرفہ میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے اور ان ہی نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیئے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے۔ آپ ﷺ نے ایک کمل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام

احمر الا بالتقوی (مسند احمد (۱)۔)

لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کے سبب سے۔

ان کل مسلم اخوالمسلم وان المسلمین اخوبت۔ (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۹۳ وطبری و ابن اسحاق)

(ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور) اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

ارقاء کم ارقاء کم اطعموھم مما تاکلون واکسوھم مما تلبسون (ابن سعد بسند)

تمہارے غلام تمہارے غلام جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آج سب سے قدیم رسم عرب کا سب سے مقدم فخر خاندان کا پر فخر مشغلہ برباد کر دیا جاتا ہے (اور اس کے لیئے نبوت کا منادی سب سے پہلا اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) و سیر کی کتابوں میں کچھ اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایك طویل خطبہ تھا۔ ہر ایك شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا جس کی اس نے روایت کی اس بنا پر مختلف ماخذوں سے ان ٹکڑوں کو جمع کر لیا گیا ھے' اور اس کے جا بجا حوالے دیئے گئے ھیں' خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے

چھوڑ دیئے ھیں‘ روایتوں میں ایک اور اختلاف ھے‘ حضرت جابرؓ اپنی روایت میں اور ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور دوسری روایتوں میں یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ھیں‘ بعض روایتیں ایام التشریق کے خطبہ کی ھیں‘ ابن اسحاق نے اس کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ھے‘ ابن ماجہ‘ ترمذی اور مسنداحمد میں خطبہ حجتہ الوداع کے چند فقرے منقول ھیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبہ میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔ بھرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایت یکجا کرنے سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ آپ ﷺ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو ۱۰ ذی الحجہ یوم الخر اور تیسرا خطبہ ایام تشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو‘ ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض باتیں مشترک ھیں اور بعض مختص المقام ھیں۔ یہ بہت ممکن ھے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ھے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور آپ ﷺ جو پیغام اپنی امت کو پھنچانا چاھتے ھیں وہ نہایت اھم تھا اس لیئے آپ ﷺ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے ھیں۔ ”س“ (۱)۔ امام حمد نے مسند میں ابونضرہ تابعی کے واسطہ سے اور تابعی مذکور نے ایک صحابی سے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجتہ الوداع کا خطبہ دیتے سنا تھا۔ یہ فقرہ نقل کیا۔ بحوالہ منتقی الاخبار ابن تیمیہ مع نیل الاوطار۔

ودماء الجاھلیہت موضوعہت وان اول دم اضع من دمائنا ابن ربیعہت (۱)۔ ابن الحارث۔ (صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد بروایت جابر)

سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ الحارث کے بیٹے کا خون باطل کردیتا ہوں۔

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لیئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آج وہ دن

ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لیئے بھی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربا الجاھلیہت موضوع واول رباا ضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب (صحیح مسلم و ابو دائود)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود (عباس (۳)۔ بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔)

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقولہ تھیں جو قمار بازی میں داؤں پر چڑھا دی جا سکتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم' یہ صنف لطیف' یہ جوہر نازک قدر دانی کا تاج پہنتا ہے۔

فاتقوا اللہ فی النساء (صحیح مسلم و ابو دائود)

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔

ان لکم علی نساء کم حقا ولھن علیکم حقا (طبری ابن ہشام وغیرہ)

تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ (۳)۔

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا' آج امن وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح پیغام سناتا ہے۔

ان دمائکم واموالکم علیکم حرام کحرمہت یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم (۴)۔

تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی' ان کو خدا کی طرف سے جو ہدایتیں ملی تھیں' بندوں کی ہوس پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی۔ ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایات ربانی کا مجموعہ تھی' اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے۔

(۱)۔ ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قتل کا ذکر ہے لیکن یہ صحیح نہیں' ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ رہے اور ۲۳ھ میں وفات پائی۔ صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا وہ قبیلہ' بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اس کو قتل کر ڈالا۔ دیکھو ابو داؤد و صحیح مسلم باب حجتہ النبی ﷺ اور زرقانی جلد ۹ صفحہ ۲۰۱۔

(۲)۔ آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے' بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا دیکھو تفسیر آیت ربوا۔ (۳)۔ اس کے بعد آپ نے زن و شوہر کے فرائض کی تفصیل فرمائی۔ (۴)۔ صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد وغیرہ۔

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم به کتاب اللہ (صحاح)

میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا:

ان اللہ عزوجل قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصیہت لوارث۔

خدا نے ہر حق دار کو (ازروے وراثت) اس کا حق دے دیا

اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله۔

لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا زناء کار کے لیئے پتھر

ہے اوران کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔

من ادعى الى غيرابيه وانتهى الى غير مواليه فعليه

لعنة الله

جو لڑکا اس باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا

دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی

نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

الا لايحل لامرءة ان يعطى من مال زوجها شيئا الا

باذنه الدين مقضى والعارية مؤداة

والمنحة (مردودة والزعيم غارم)

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر

کچھ دینا جائز نہیں' قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی

جائے عطیہ لوٹایا جائے' ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع عام کی طرف خطاب کیا۔

انتم مسئولون عنى فما انتم قائلون (صحيح مسلم

ابو دائود)

تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب

دو گے؟

صحابہ نے عرض کی ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا

کردیا۔آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اللهم اشهد (صحیح مسلم و ابو دائود)

اے خدا تو گواہ رہنا۔

عین اس وقت جب آپ ﷺ یہ فرض نبوت ادا کر رہے تھے یہ آیت اتری: (۲)۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارے لیئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیئے مذہب اسلام کو منتخب کر لیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شہنشاہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا۔اس کے تحت شہنشاہی کا مسند د بالیں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا۔ (۳)۔

---

(۱)۔سنن ابن ماجه باب الوصایا و مسند ابوداؤد طیالیسی' بروایت ابی امامته الباهلی' ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصرًا ھے ابن سعد اور ابن اسحاق نے بھی اس کی بسند روایت کی ھے کہ یہ عرفہ کے خطبہ میں آپ نے فرمایا۔ (۲)۔صحیح بخاری و صحیح مسلم و ابوداؤد وغیرہ' ابن سعد میں تصریح خاص ھے۔ (۳)۔طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۷ و کتاب الشمائل للترمذی و ابن ماجه۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو اذان کا حکم دیا اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا میں مصروف رہے۔جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے وہاں سے چلنے کی تیاری کی۔حضرت اسامہ بن زید ؓ کو اونٹ پر پیچھے بٹھا لیا۔ آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے' یہاں تک کہ اس کی گردن کجاوے میں آ کر لگتی تھی' لوگوں کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔لوگوں کو دست راست

ہے اور بخاری میں ہے کہ کوڑے سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے:

السکینۃ یایھا الناس السکینۃ یایھا الناس

(۱)۔

لوگو! سکون کے ساتھ' لوگوں سکون کے ساتھ۔

اثنائے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی اسامہؓ نے کہا یا رسول اللہ! نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے فرمایا۔ نماز کا موقع آگے آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے' یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاو پر جا کر سواریوں کو بٹھایا' ابھی سامان کھولنے بھی نہیں پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشاء کی تکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا' بیچ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیئے بیدار نہ ہوئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی۔ صبح سویرے اٹھ کر باجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کنار قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا اور آس پاس کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمکنے لگتی تھی۔ اس وقت بہ آواز بلند کہتے تھے "کوہ ثبیرا دھوپ سے چمک جا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رسم کے ابطال کے لیئے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ فرمایا۔ یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور سنیچر کا دن تھا۔

فضل بن عباسؓ آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہل حاجت داہنے بائیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیئے آ رہے تھے۔ آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے۔ وادی محسر کے راستہ سے آپ ﷺ جمرہ کے پاس آئے' ابن عباسؓ سے جو اس وقت کم سن تھے' فرمایا مجھے کنکریاں چن کر دو' آپ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔

-(۳)

وایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک قبلکم الغلوا فی الدین (ابن ماجه و نسائی)

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

اسی اثناء میں آپ ﷺ یہ بھی فرماتے:

لتاخذوا مناسککم فانی لاادری لعلی لااحج بعد حجتی ھذہ (مسلم و ابوداؤد)

حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

---

(۱)۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد۔ (۲)۔ صحیح بخاری و ابوداؤد۔ (۳)۔ نسائی۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved ©2002

یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تشریف لائے داہنے بائیں' آگے پیچھے' تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا مہاجرین قبلہ کے داہنے' انصار بائیں اور بیچ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ پر سوار تھے۔ حضرت بلالؓ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہ بن زیدؓ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کیئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرائض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور ضوفشاں تھا۔ دیوان قضاء میں انبیائے سابقین کے فرائض تبلیغ کے کارناموں پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ کے کام و دہن میں زمزمہ پرواز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا' اسی بنا پر ارشاد فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات و الارض (بروایت ابوبکرہ)

ابتداء میں جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اسی نقطہ پر آ گیا۔

ابراہیم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ (۱)۔ اس لیئے عربوں کے خون آشام جذبات حیلہ جنگ کے لیئے اس کو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے۔ آج وہ دن آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشہر حرم کی تعیین کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

السنتہ اثنا عشر شہرا منہا اربعتہ حرم ثلاثتہ متوالیات ذو القعدہ و ذو الحجتہ ومحرم و رجب شہر مضر الذی بین جمادی و شعبان (بروایت ابوبکرہ)

سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں تین تو متواتر مہینے ہیں ذوقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔

دنیا میں عدل و انصاف اور جور و ستم کا محور صرف تین چیزیں ہیں' جان' مال اور آبرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کل کے خطبہ میں گو ان کے متعلق ارشاد فرما چلے تھے' لیکن عرب کے صدیوں کے زنگ دور کرنے کے لیئے مکرر تاکید کی ضرورت تھی۔ آج آپ ﷺ نے اس کے لیئے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔

لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض

کی کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے آپ ﷺ دیر تک خاموش رہے۔ لوگ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ دیر تک سکوت کے بعد فرمایا۔ کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے۔ پھر

(۱)۔ حج کے ان مہینوں کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب میں نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیروهوں سب برابر ان کی عزت کرتے تھے' ان مہینوں میں جنگ و جدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے۔ قدیم اشعار عرب میں ان کا بیان نہایت کثرت سے ہے۔ رومیوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ھے۔ ۵٤۱ء میں رومیوں کو شام اور فلسطین میں کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی' اور ساتھ ھی عربوں کے حملہ کا خوف لگا تھا۔ سپہ سالار روم جو عربوں کے اندرونی حالات سے واقف تھا اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں' کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آ رھے ھیں جن میں اھل عرب عبادتوں میں مشغول رھتے ھیں اور کسی قسم کا ھتھیار نہیں لگاتے۔ نتائج الافہام محمود پاشا فلکی۔ صفحہ ۳۵ بحوالہ فریخ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل اپریل ۱۸٤۳ء) "س"

ارشاد ہوا۔ یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا۔ آپ ﷺ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا۔ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں بے شک ہے۔ پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا۔ آپ ﷺ نے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا۔ کیا یہ بلدہ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا۔ ہاں بے شک ہے۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جاگزین ہو چکا کہ آج کا دن بھی' مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے' یعنی اس مقام میں جنگ اور خون ریزی جائز نہیں' تب فرمایا:

فان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام
لحرمت یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم

ھذا (بروایت ابوبکرہ)

تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

قوموں کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ و جدال اور باہمی خونریزیوں کا نتیجہ رہی ہے۔ وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بن کر آیا تھا اس نے اپنے پیرووں سے باآواز بلند کہا:

الا لا ترجعوا بعدی ضلا لا یضرب بعضکم رقاب بعض و ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم (بروایت ابوبکرہ)

ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔

ظلم و ستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہو جانے کی صورت میں بادشاہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا۔ باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا جو مدت سے دنیا میں حکمران تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے لاتزروازرۃ وزر اخری کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی تھی، لیکن اس وقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا۔ اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الا لا یجنی جان الا علی نفسہ الا لا یجنی جان علی

ولده ولا مولود علی والده (ابن ماجه و ترمذی)

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے'ہاں باپ کے جرم کا

ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب وہ باپ نہیں۔

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیئے ننگ اور عار جانتا تھا۔ارشاد ہوا:

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب الله

فاسمعوا له واطیعو (صحیح مسلم)

اگر کوئی حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی

کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور

فرمانبرداری کرو۔

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منورہ ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہمیشہ کے لیئے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پردازنہ قو میں پامال ہوچکیں تھیں' اس بنا پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلد کم هذا ابدا

ولکن ستکون له طاعهت فیما تحقرون من اعمالکم

فسیرضی به (ابن ماجه و ترمذی)

ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس

شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن البتہ

چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر

خوش ہوگا۔

سب سے آخر میں آپ ﷺ نے اسلام کے فرض اولین یاد دلائے۔

اعبد واربکم فصلو اخمسکم وصوموا شھرکم واطیعوا اذا آمرکم تدخلوا جنہت ربکم (مسند احمد ج ۵ صفحہ ۲۵۱ و مستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۳۹۸' صفحہ ۴۷۳)

اپنے پروردگار کو پوجو' پانچوں وقت کی نماز پڑھو' مہینہ کے روزے رکھا کرو' اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

الاھل بلغت۔

کیوں میں نے پیغام خداوندی سنا دیا۔

سب بول اٹھے ہاں! فرمایا:

اللھم اشھد۔

اے خدا تو گواہ رہنا۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنا دیں جو موجود نہیں۔

خطبہ کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوادع (۲)۔ کہا۔

اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ قربانی کے لیے منٰی کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منٰی اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے کچھ تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیئے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیے کہ وہ ذبح کریں اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو سب خیرات کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اس

سے ادا نہ کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہوکر آپ ﷺ نے معمر بن عبد اللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابوطلحہؓ اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس (۳)۔ بیٹھے تھے عنایت فرمائے اور باقی ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مکہ معظمہ تشریف لائے' خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

---

(۱)۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا سمجھا بڑا تھا' صحیح مسلم (حج) میں روایت ہے کہ قال قولا کثیرا' آپ ﷺ نے بہت سی باتیں فرمائیں۔ صحیح بخاری (حجتہ الوداع) میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں دجال کا ذکر بھی فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہیں کہ کس دن کے خطبہ میں یہ فرمایا۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب الخطبہ ایام منٰی۔
(۳)۔ صحیح مسلم ابوداؤد۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبد المطلب سے متعلق تھی۔ چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال نکال کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یا بنی مطلب اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔"

حضرت عباسؓ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منٰی واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔(۱)۔

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک آپ ﷺ نے مستقل اقامت منٰی ہی میں فرمائی۔ ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ ابوداؤد (باب الخطبہ بمنی) میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ آپ ﷺ نے ۱۲ ذی الحجہ کو بھی منٰی میں ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہیں جو پہلے خطبہ میں گزر چکے ہیں۔ ۱۳ ذی الحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ ﷺ نے یہاں سے نکل کر وادی محصب (۲)۔ میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا۔ پچھلے پہر اٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کرکے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا اور آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ راہ میں ایک مقام خم پڑا' جو جحفہ سے تین میل پر ہے' یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں اور اس لیئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول اللہ فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھا کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا کتاب اللہ واستمسکو بہ واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔

حمد وثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں' ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملہ کو آپ ﷺ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علیؓ) کی روایت ہے۔ نسائی' مسند امام احمد ترمذی' طبرانی' طبری' حاکم وغیرہ میں کچھ اور

فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

(۱)۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن منٰی میں پڑھی، لیکن حضرت جابرؓ کی جو طویل حدیث قصہ حجتہ الوداع میں ہے۔ اس میں تعیین ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس بنا پر محدثین میں ان دونوں قولوں کی باہمی ترجیح اور وجوہ ترجیح میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حزم نے دوسری روایت کو

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ بخاری میں ہے کہ اسی زمانے میں حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ یمن میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا۔ جن کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔(۱)۔'' عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیئے اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے:

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسر کی۔ صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسری طرف کوکبہ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ سواد مدینہ پر نظر

پڑی تو یہ الفاظ فرمائے۔(۲)۔

اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ' الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر' ائبون تائبون عابدون وساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الا حزاب وحدہ۔

خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں کوئی اس کا شریک نہیں۔بس اسی کی سلطنت ہے اسی کے لیئے مدح و ستائش ہے وہ ہر بات پر قادر ہے' لوٹے آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے فرمانبردارانہ زمین پر پیشانی رکھ کر اپنے پروردگار کی مدح وستائش میں مصروف ہو کر' خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا' اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل پر تنہا شکست دی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ترجیح دی ھے اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں پہلے قول کو مرکز حج ثابت کیا ھے فریقین کے موازنہ دلائل کے بعد ھم نے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ھے۔ "س" (۲)۔ اسی کا دوسرا نام ابطح اور خیف بن کناد ھے۔ (حواشی صفحہ ھذا)

(۱)۔ صحیح بخاری بعث علی الی الیمن والترمذی مناقب حضرت علیؓ۔ (۲)۔ حجتہ الوداع کے تمام تر واقعات صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن ابوداؤد نسائی سے لیئے گئے ھیں۔ ہر واقعہ کے لیئے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو۔

وفات

انک میت وانھم میتون (زمر)

ربیع الاول ۱۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیہ نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ حجتہ الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا' توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کرکے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ:

اليوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔

آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور نعمتیں پوری کر دیں۔

سورۂ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا (۱)۔ تھا اور آپ ﷺ حکم ربانی فسبح بحمد ربک واستغفرہ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح وتہلیل میں بسر (۲)۔ فرماتے تھے آپ ﷺ عموماً ہر سال رمضان مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ ﷺ پورا قرآن ناموس اکبر کی زبانی سنتے تھے' لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا۔ (۳)۔ حجتہ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں۔ شاید میں اس کے بعد حج نہ کرسکوں۔ (۴)۔ غدیر خم کے خطبوں میں بھی اسی قسم کے لفظ ادا ہوئے۔

غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہدائے احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی

تھی'تمام غزوات میں صرف غزوہ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی' اس لیئے ان کی یاد آپ ﷺ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر اذا جاء۔ (۲)۔ اس قسم کی روایتیں گو طبری' ابن خزیمہ اور ابن مردویہ میں ہیں لیکن مختصرًا صحیح بخاری تفسیر اذا جاء میں بھی مذکور ہیں۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن۔ (٤)۔ مسلم و ابوداؤد نسائی' کتاب الحج۔

حجتہ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حسرت کے ساتھ الوداع کیا شہدائے احد جو بل ھم احیاء کے مژدہ جانفزاء سے فیض یاب تھے' آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا' چنانچہ اسی زمانہ میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیئے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو الوداع کیا کہ جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے (۱)۔' اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: میں تم سے پہلے حوض پر جارہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک' مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے' مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے' لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہوجاؤ اور اس کے لیئے آپس میں کشت وخون نہ کرو تو پھر اسی طرح ہلاک ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں' راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

غزوات میں گزر چکا ہے۔ کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کرڈالا تھا' آنحضرت ﷺ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے' آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے اسامہ ابن زیدؓ کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں (۲)۔ (۱۸ یا ۱۹) صفر (۳)۔ ۱۱ھ میں آدھی

رات کو

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم باب اثبات الحوض۔ (۲)۔ واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی جانے کا حکم دیا تھا' لیکن یہ روایتیں بے سند ہیں۔ اس لئے علامہ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حضرت ابوبکرؓ کو آپ نے ایام علالت میں امام نماز مقرر فرمایا اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے اس بنا پر اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ نے مستثنیٰ کر لیا۔ (۳)۔ آنحضرت ﷺ کی ابتدائے مرض کے دن علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں' امر مختلف فیہ سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہیئے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) سال وفات ۱۱ ھ ہے۔ (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی۔ (٤) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے' اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور پر متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات پائی تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہ کے گھر بروایت صحیح ۱۸ روز (ایک دو شنبہ سے دوسرے شنبہ تک) بیمار رہے اور یہیں وفات فرمائی اس لئے ایام علالت کی مدت ۸ روز تو یقینی ہے' عام روایت کی رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے اسلیئے ۱۲ دن مدت علالت صحیح ہے۔ علالت کے ۵ دن آپ ﷺ نے دوسری ازواج کے حجروں میں بسر فرمائے' اس حساب سے علالت کا آغاز چارشنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخ وفات کی تعیین میں راویوں کا اختلاف ہے کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی محچھ کر کوئی روایت احادیث میں نہیں مل سکی' ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں۔ یکم ربیع الاول' دوم ربیع الاول اور ۱۲ ربیع الاول۔ ان تینوں

روایتوں میں باھم ترجیح دینے کے لیئے اصول روایت و درایت دونوں سے کام لینا ھے اور روایت دوم ربیع الاول۔ ان تینوں روایتوں میں باھم ترجیح دینے کیلئے اصول روایت و درایت دونوں سے کام لینا ھے اور روایت دوم ربیع الاول کی روایت ھشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کے واسطے سے مروی ھے (طبری ص ۱۵-۱۸) اس آیت کو گو اکثر قدیم مورخوں (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ) نے قبول کیا ھے' لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونوں مشہور دوغ گو اور غیر معتبر ھیں۔ یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد وطبری نے نقل کی ھے (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اشخاص سے نقل کیا ھے وہ ۱۲ ربیع الاول کی ھے' البتہ بیھقی نے دلائل میں مسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ھے (نور النبراس ابن سید الناس' وفات)

آپ ﷺ جنت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا' تشریف لے گئے' وہاں سے واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا' یہ حضرت میمونہ(۱)۔ کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ تھا' پانچ دن تک آپ ﷺ اس حالت میں بھی ازراہ عدل و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے' دوشنبہ کے دن مرض میں شدت ہوئی تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسی بن عقبہ سے مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ھے (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف میں اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھا ھے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ھی نے درایتًا اس نکتہ کو دریافت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول کی روایات قطعًا ناقابل تسلیم ھے کیونکہ دو باتیں یقینی طور پر ثابت ھیں' روز وفات دو شنبہ کا دن تھا۔ (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوۃ) اس سے تقریبًا تین مھینے پہلے ذی الحجہ ۱۰ ھ کی نویں تاریخ جو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصتہ حجتہ الوداع' صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم' ذی الحجہ ۱۰ ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھ تک حساب

لگائو' ذی الحجہ' محرم' صفر ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹' ۲۹' ۲۹ خواہ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں پڑسکتا' اس لیئے درایتاً بھی یہ تاریخ قطعًا غلط ہے۔ دوم ربیع الاول کو حساب سے اس وقت دوشنبہ پڑسکتا ہے۔ جب تینوں مہینے ۲۹ کے ہوں۔ جب دوں پہلی صورتیں نہیں ہیں تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی ہے جو کثیر الوقوع ہے یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایك مہینہ تیس کا لیا جائے اس حالت میں ۲۹ ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ۹ ذی الحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول میں اس حساب سے دوشنبہ کو کس کس دن واقع ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ' اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۶	۱۳	
۲	ذی الحجہ' محرم اور صفر سب ۳۰ دن کے ہوں	۲	۱۹	۱۲
۳	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذی الحجہ ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذی الحجہ' ۳۰ محرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	
۸	ذی الحجہ' ۲۹ کا اور محرم و صفر ۳۰ کے ہوں	۷	۱۴	

ان مفروضہ تاریخوں میں سے ۶۔۷۔۸۔۱۹۔۱۴۔۱۵ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں رہ گئیں یکم اور دوم تاریخیں؛ دوم تاریخ صرف ایک صورت میں پڑسکتی ہے جو خلاف اصول ہے یکم تاریخ تین صورتوں میں واقع ہوسکتی ہے اور تینوں کثیر الوقوع ہیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لیئے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول ۱۱ھ ہے اس روایت میں فقط روایت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد ہے اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اس پر خدشات وارد ہوسکتے ہوں۔ کتب تفسیر میں آیت الیوم اکملت

لم دینکم' حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں دیکھو ابن جریر ابن کثیر و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ سے لے کر کیم ربیع الاول تک دو ۲۹ اور ایک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں۔ ابونعیم نے بھی دلائل میں بسند کیم ربیع الاول تک تاریخیں وفات نقل کیا ہے۔ صفحہ ۶۴ ''س''

---

(۱)۔ ابن سعد و عبدالرزاق بسند صحیح و صحیح مسلم باب الامامہ۔

ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں' خلق عمیم کی بناء پر اجازت بھی صاف اور اعلانیہ نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہرات نے مرضی سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام (۱)۔ فرمائیں۔ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لائے۔

آمد و رفت کی قدرت جب تک رہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی وہ مغرب (۲)۔ کی نماز تھی' سر میں درد تھا' اس لیئے سر میں رومال باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ المرسلات عرفاً قرأت فرمائی عشاء کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار ہے۔ لگن میں پانی بھروا کر غسل فرمایا' پھر اٹھنا چاہا کہ غش آ گیا افاقہ کے بعد پھر فرمایا نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھر وہی پہلا جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر غسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا' افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا۔ تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی

جب افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں' حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! ابوبکر نہایت رقیق القلب ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ ان سے کھڑا نہ ہوا جائے گا'

(۱)۔ صحیح بخاری ذکر وفات' ابن سعد نے بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے اجازت طلب کی تھی۔

(۲)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم و ابوداؤد' ترمذی اور نسائی باب القراہ میں مذکور ہے' آئندہ حضرت عائشہؓ کی روایت آئے گی جس میں مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد میں ظہر کی آپ نے پڑھائی' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرہ نبوی کا واقعہ ہے۔ جیسا کہ نسائی میں ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۴۵) لیکن آگے چل کر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی۔ جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر نکل کر نماز پڑھائی اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی کہ اس سے مقصود ہے کہ خواب گاہ سے باہر آ کر (جلد ۴ صفحہ ۴۔۲) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں کہ اول تو حجرہ نبوی میں اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے' دوسرے یہ کہ خواب گاہ کے علاوہ حجرہ نبوی میں اور جگہ کہاں تھی۔ علاوہ ازیں احادیث میں صلی بنا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہیں کہ تمام مسلمانوں کے امام بن کر نماز پڑھائی' گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہیں آتا' اس لیئے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی جیسا کہ عام روایت کا اشارہ ہے آخری نماز' مغرب تھی یا ظہر' اس کی تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کی نماز مذکور پر ہوا جیسا کہ آگے عشاء کی نماز کے ذکر میں آئے گا۔ ظہر کی نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں آ کر ادا فرمائی وہ اتفاق تھی۔ اصل میں امام پہلے سے حضرت ابوبکرؓ تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر بعد کو شریک ہو گئے تھے۔ یہ نماز مسجد میں آپ ﷺ کی آخری نماز

تھی۔ بعض صحابہ سے حضرت ابوبکرؓ تھے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر بعد کو شریک ہو گئے تھے۔ یہ نماز مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نماز تھی۔ بعض صحابہ سے مذکور ہے کہ آخری نماز صبح کی تھی یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے یعنی آخر بار یہی موقع ملا''س''

(۲)۔ صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ یہ تخصیص ہے' دیکھو کتاب الصلوۃ اور وفات)

آپ ﷺ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن (۱)۔ تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات) کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات کاغذ (۲)۔ لاؤ' میں تمہارے لیئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوگے۔ بعض صحابہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض کی شدت ہے (اغلبہ الوجع) اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جو ہمارے لیئے کافی ہے۔ اس پ

((۱)۔ بخاری باب الامتہ ج ۱ ص ۹٤) میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی قائم مقامی کی آغاز شب جمعہ کی نماز عشاء سے کیا ہے۔ (بخاری و مسلم کتاب الصلوۃ) اور اختتام دوشنبہ کی صبح کی نماز پر ہوا۔ (بخاری باب رجع القهقرى فی الصلوۃ ص ٦٠) کل یہ تین دن میں ۱۷ وقت کی نمازیں ہوئیں' ابن سعد نے واقدی سے بعینہ یہی روایتیں کی ہیں ایك میں ہے کہ ٤ دن امامت کی دوسری میں ہے کہ ۱۷ وقت کی''س''

(۲)۔ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے' صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے صحیح مسلم کتاب الوصیتہ میں یہ روایتیں یکجا ہیں' جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفتگو کی'

بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مثلاً صحیح مسلم) بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے‘ صحیح مسلم میں (ان کے) یہ الفاظ ہیں۔

قد غلب علیہ الرجع و عندکم القران حسبنا کتاب اللہ۔ آپ کو مرض کی شدت ہے‘ ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔ (صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں):
(۱) فقالوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھجر (۲) فقالوا اھجرا استفھموہ۔ تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیحواسی (ہجر) کی باتیں کرتے ہیں (تو لوگوں نے کہا کیا آپ ﷺ بیحواسی کی باتیں کرتے ہیں آپ سے خود پوچھ تو۔)

اس بنا پر یہ روایت شیعہ و سنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہا۔ خود قرآن مجید میں الیوم اکملت لکم نازل ہو چکی تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے اس واقعہ کے بعد چار دن (آپ زندہ رہے) اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے‘ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔ اس اختلاف کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں اس کو ان عام وصیتوں فرمائیں۔ جو ضروری بات آپ ﷺ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے وہ یہی ہوں‘ یا اگر وہ اس کے علاوہ بھی ہوں تو آپ اس کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے‘ اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا ہوں‘ یا اگر وہ اس کے علاوہ بھی ہوں تو آپ اس

نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ ﷺ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ رونے کی کون سی بات ہے لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا اور فرمایا سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور صحبت کا ممنون ہوں ابوبکرؓ ہیں (۳)۔ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے۔ ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں۔

زمانہ علالت میں انصار آپ ﷺ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے۔ ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا گزر ہوا' انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی' انہوں نے بیان کیا

(۱)۔ صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الوصیہ۔

(۲)۔ روایتوں میں بالتصریح یہ مذکور نہیں ھے کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ھے لیکن صحیح مسلم باب لنہی عن بناء المساجد علی القبور میں حضرت جندبؓ کی روایت ھے کہ حضرت ابوبکرؓ کی شان میں جو الفاظ آپ نے فرمائے تھے جن کا بیان آگے آتا ھے وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے آپ نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ھے اس لیئے یہ روایت سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی فیصلہ کیا ھے۔ "س" (۳)۔ صحیح بخاری و مسلم مناقب ابی بکرؓ اخیر ٹکڑا صحیح مسلم باب النھی

عن بناء المساجد علي القبور میں ہے۔

کہ حضورؐ کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقعہ تھا۔ اس لیئے اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ یایھا الناس میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسے کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں (بمنزلہ) معدہ کے ہیں جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیئے کہ ان میں جو نیکو کار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ان کو معاف کرے۔(۱)۔

اوپر گزر چکا ہے کہ رومیوں کی طرف جس فوج کو بھیجنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز کیا تھا۔ اس کی سرداری اسامہؓ بن زید کو تفویض فرمائی تھی۔ اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

اگر اسامہؓ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ زید کی سرداری پر تم معترض تھے، خدا کی قسم! وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب (۲)۔ ہے۔

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے۔ پیغمبر کا صرف اس قدر فرض ہے کہ احکام الٰہی کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے۔ چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک وکفر تک منجر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج

پیش نظر تھے‘اس لیئے ارشاد فرمایا:

حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔

انسان کی جزا و سزا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیئے کچھ کرلو‘ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔ (۳)۔

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ حجرہ عائشہ میں واپس تشریف لائے۔

آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ زہراؓ سے بے حد محبت تھی (اثنائے علالت میں) ان کو بلا بھیجا۔ تشریف لائیں تو

---

(۱)۔ صحیح بخاری مناقب انصار۔ (۲)۔ صحیح بخاری بعث اسامہ و مناقب زیدؓ بن حارثہ۔ (۳)۔ یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ کتاب الامام امام شافعی اور ابن سعد جز الوفات میں بسند حسن مروی ہے لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد جو خطبہ دیا تھا دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں یہ ہے کہ وہ دو شنبہ کی صبح یعنی روز وفات واقعہ اس کو بیان کرتے ہیں‘ حالانکہ بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ دوشنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے صرف پردہ اٹھا کر جھانکا تھا اور نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز میں شرکت فرمائی۔ ”س“

ان سے کچھ کان میں باتیں کیں۔ وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں‘ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب

سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی۔(۱) تو ہنسنے لگی۔

یہود و نصاریٰ نے انبیاء کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراط کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا' اس لیئے حالت مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپ ﷺ کے پیش نظر تھی یہی تھی۔ اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھیں اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں (۲)۔ کا اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا (۳)۔ ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں (۴)۔ گے۔ عین کرب کی شدت میں جبکہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے' حضرت عائشہ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے۔

لعنت الله علی الیهود و النصاری اتخذوا قبورا انبیائهم مساجد۔ (۵)۔

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو' انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

(اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں' دریافت فرمایا کہ عائشہؓ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد ﷺ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ (۶)۔ میں خیرات کر دو۔)

(وفات سے ایک دن (۷)۔ پہلے اتوار کو) لوگوں نے دواء پلانی چاہی' چونکہ گوارا نہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا' اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی' لوگوں نے منہ کھول کر دوا پلا دی۔ افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دوا پلائی تھی ان میں حضرت عباسؓ شامل نہ تھے اس

لیئے وہ اس حکم (۸)۔ سے مستثنیٰ رہے محدثین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا۔ یعنی جس طرح بیماروں میں نازک مزاجی آ جاتی ہے آپ ﷺ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنگ مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔

مرض میں اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی' جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا' حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا' آپ ﷺ نے (صبح کے وقت) پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز میں مشغول تھے دیکھ کر مسرت سے ہنس پڑے' لوگوں نے آہٹ پا کر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں۔ فرط مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور حجرہ شریف میں داخل ہو کر پردے (۹)۔ ڈال دیئے۔ (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ ﷺ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔ (۱۰)۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت

---

(۱)۔ صحیح بخاری ذکر وفات۔ (۲)۔ کوئی رومن کیتھولک گرجا ہوگا جس میں حضرت عیسٰی' حضرت مریم اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں۔ (۳)۔ جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہیں۔ (٤)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔ (۵)۔ صحیح بخاری و ذکر وفات صحیح مسلم باب مذکور سابق۔ (٦)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ ص ٤٩ و ابن سعد جز الوفات بروایت متعددہ۔ (۷)۔ ابن سعد وفات۔ (۸)۔ صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم (التداوی بالدود) (۹)۔ صحیح بخاری ذکر وفات و کتب صحاح کتاب الصلوٰۃ۔ (۱۰)۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ص ١٦٧

کی۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے چہرہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق (۱)۔ ہے یعنی سپید ہو گیا تھا۔

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ یہ دیکھ کر بولیں "واکرب اباہ" ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا۔ تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں اکثر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے۔

مع الذین انعم اللہ علیھم۔

ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔

اور کبھی یہ فرماتے:

اللھم فی الرفیق الاعلی۔

خداوند! بڑے رفیق ہیں۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن خدمت اقدس میں آئے۔ آپ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے' عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک تھی' مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا حضرت عائشہ سمجھیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی' آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی۔ آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ رہا تھا۔ سہ پہر (۲)۔ تھی' سینہ میں سانس کی گھڑگھڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے تو لوگوں نے یہ الفاظ (۳)۔ سنے:

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔

نماز اور غلام۔

تجہیز و تکفین ::

تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۲ ربیع الاول کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے۔ (۱) عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس دنیا کو الوداع کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔

لیکن حضرت ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضورؐ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں' تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

۲۔ اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

۳۔ قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا اس لیئے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

۴۔ جس حجرہ میں آپ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیئے بڑی دیر لگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔ (۲)۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضل بن عباسؓ اور اسامہ بن زیدؓ نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان ہی نے پردہ بھی کیا تھا۔ چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا۔ اس لیئے حضرت علی نے اندر سے کواڑ بند کر لیئے تھے۔ انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیئے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے جیسا کہ واقدی کا بیان ہے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی کا حق نہیں ہے اس لیئے اگر سب کو اجازت دی گئی تو کام رہ جائے گا

لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علیؓ نے اوس ابن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر میں تھے اندر بلا لیا' وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے' حضرت علیؓ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زیدؓ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ (۳)۔

(کفن کے لیئے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا' وہ حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اتار لی گئی (۴)۔) اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحوں کے بنے ہوئے تھے کفن میں دیے گئے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

---

(۱)۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب میں مذکور ہیں۔ (۲)۔ ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چہار شنبہ کو تدفین ہوئی' لیکن یہ تمام تر کذب اور جھوٹ ہے۔ خود ابن سعد میں صحیح روایتیں یہ ہیں کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی البتہ چہارشنبہ کی شام شروع ہو گئی تھی۔ ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جہازہ یوم الثلثائحب سہ شنبہ کے دن تجہیز و تکفین سے فرصت ہوئی۔ (۳)۔ طبقات ابن سعد ص ۶۳' ۶۳' جزء الوفات طبری (مختصراً ابوداؤد کتاب الجنائز میں بھی ان صاحبوں کے نام ہیں' نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز۔) (٤)۔ صحیح مسلم ص ۲۰ کتاب الجنائز۔ (٥)۔ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الجنائز۔

(غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے؟ حضرت ابو بکرؓ نے کہا نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے' وہیں دفن بھی ہوتا ہے' چنانچہ نعش مبارک اٹھا کر اور بستر الٹ کر حجرہ عائشہ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا (۱)۔' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کو کسی میدان میں اس لیئے نہیں دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ ﷺ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنا لیں' میدان میں اس کی دارو گیر مشکل تھی۔ (۲)۔ اس لیئے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔

مدینہ میں دو صاحب قبر کھودنے میں ماہر تھے' حضرت ابوعبیدہؓ اور ابوطلحہؓ۔ حضرت ابوعبیدہؓ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی۔ لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اختلاف مناسب نہیں۔ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے (۳)۔ جو پہلے آ جائے۔ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے۔ اتفاق یہ کہ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ ابوطلحہؓ آئے اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھودی جو لحدی یعنی بغلی تھی۔ چونکہ زمین نم تھی اس لیئے جس بستر پر آپ ﷺ نے وفات پائی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لیئے ٹوٹے (جنازہ حجرے کے اندر تھا' باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردوں نے' پھر عورتوں اور پھر بچوں نے نماز پڑھائی لیکن کوئی امام نہ تھا۔ (۴)۔

جسم مبارک کو حضرت علیؓ فضل بن عباسؓ (اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف) نے قبر میں اتارا۔ (۵)۔

---

(۱)۔ ابن سعد جزء الوفات بروایات صحیحہ و ابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبوی۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الوفات۔ (۳)۔ ماجہ کتاب الجنائز۔ (٤)۔ ابن سعد بروایت صحیح جزالوفات۔ (٥)۔ ابوداؤد کتاب الجنائز ابن ماجہ اور ابن سعد میں اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہیں۔ ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دو روایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے۔

متروکات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات و جائیداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے۔

لا نورث ما ترکنا صدقۃ (۱)۔

ہم (انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا عام مسلمانوں کا حق ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے۔چنانچہ یاد ہو گا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہؓ کے پاس امانت تھے آپ ﷺ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کر دیے۔

عمروؓ بن حویرث سے جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے۔بخاری میں روایت ہے:

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھما ولا دینارا ولا عبدا ولا امۃ ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلھا (۲)۔ صدقۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا،نہ درہم نہ دینار،نہ غلام،نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارا ولا

درھما ولا بعیرا ولا شاۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا' نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔

بہر حال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں' کچھ زمین' سواری کے جانور اور ہتھیار۔

زمین ::

حضرت عمروؓ بن حویرث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ' خیبر اور فدک کے چند باغ تھے' مدینہ کی جائیداد سے بنو نضیر کی جائیداد مراد ہے یا مخریق نام ایک یہودی نے ۳ھ میں (غزوہ احد کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند باغ وصیتاً ہبہ کیئے تھے۔ وہ مراد ہیں' لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ باغ اسی وقت مستحقین کو تقسیم کر دیئے تھے۔ (۳)۔

---

(۱)۔ یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابوں میں ہے' بخاری میں متعدد مقامات میں ہے۔ کتاب الوصایا' کتاب الفرائض' باب فرض الخمس۔

(۲)۔ صحیح بخاری کتاب الوصایا۔ (۳)۔ بخاری باب فرض الخمس میں ہے و صدقتہ بالمدینۃ یہ ان ہی باغوں کے متعلق ہے۔ تفصیل کے لیئے فتح الباری ج ۶ صفحہ ۴۰ دیکھو نیز صحیح بخاری میں کتاب المغازی ذکر نضیر۔

فدک اور خیبر کی نسبت ابتداء ہی سے شیعہ اور اہل سنت میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کی ذاتی جائیداد تھی اور وراثت کے طور پر اہل بیت میں تقسیم ہونی چاہیئے تھی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ بطور والیت اسلامی آپ کے قبضہ میں تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپ ﷺ نے خود فرما دیا تھا کہ ہمارا جو ترکہ ہو' وہ صدقہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا' حضرت عباسؓ (آپ کے چچا) حضرت فاطمہؓ (صاحبزادی) اور اکثر ازواج مطہرات مدعی تھیں کہ

ہے کہ اس قسم کی تمام روایتوں کا سلسلہ سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے۔

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینارا ولا درھما ولا بعیرا ولا شاہت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا' نہ درہم نہ اونٹ' نہ بکری۔

صحیح بخاری (کتاب) الجہاد میں عمروؓ بن حویرث (ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے) سے روایت ہے۔

ما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا ترکھا صدقہت۔

آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا بجز اپنے سفید خچر اور ہتھیار اور زمین کے جو وقف عام ہوگئی۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الفرائض۔ (۲)۔ یہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔ دیکھو کتاب الفرائض۔ (۳)۔ سنن ابی دائود' باب صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ (۴)۔ حوالہ مذکور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدك سادات کو دے دیا تھا۔

ان روایتوں سے معلوم ہوگا کہ متروکات خاصہ میں صرف ایک جانور تھا۔ ان صحیح اور مسلم روایات کے ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہے کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے۔

احادیث صحیحہ کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن حویرث کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں آئیں لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہیں پڑسکتا۔ کیونکہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے

وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپ ﷺ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کردی ہوں' بہرحال (ازروئے روایات صحیحہ مختلف اوقات میں) حسب ذیل جانور آپ ﷺ کے دائرہ ملک میں آئے۔

لخیف:

ایک گھوڑا جو ابی بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا۔ بخاری نے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عفیرہ: ایک گدھا تھا۔ حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا (بخاری کتاب الجہاد۔)

عضباء و قصواء: نہایت تیز اونٹنی تھی' قصواء بھی اسی کا نام ہے۔ (طبری صفحہ ۱۷۸۴ میں ہے کہ اس کو آپ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ سے خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابوایوبؓ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ (۱)۔ حجتہ الوداع کا خطبہ بھی آپ ﷺ نے اسی کی پشت پر دیا (۲)۔ تھا) یہ ہر معرکہ میں بازی لے جاتی تھی۔ ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا۔ اس کی سواری میں ایک اونٹ تھا جو ابھی جوان بھی نہیں ہوا تھا عضباء کا اس سے مقابلہ ہوا اور وہ آگے نکل گیا۔ صحابہ کو ملال ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔ یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز سب سر اٹھائے تو اس کا پست کر دے۔ (بخاری باب الجہاد)

تیہ: ولدل جس کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی خچر کا نام ہے جس کا ذکر عمروؓ بن حویرث کی روایت میں ہے چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہے۔ یہ خچر مقوقس مصری نے آپ ﷺ کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن العلماء (رئیس ایلہ) نے بھی آپ ﷺ کو ایک سفید خچر (غزوہ تبوک کے موقع پر (۳)۔) تحفتاً بھیجا تھا۔

غزوۂ حنین میں جس سفید خچر پر آپ ﷺ سوار تھے وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیۃً بھیجا تھا ارباب سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط (۴)۔ ہے‘ صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود (۵)۔ ہے۔

اسلحہ ::

اس زہد وقناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانہ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا۔نو عدد تلواریں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ ماثور‘عصب‘ذوالفقار‘قلعی‘تبار‘ حتف‘مخذم‘قضیت۔

ماثور والد ماجد سے میراث میں ملی تھی۔ ذوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی۔تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔فتح مکہ میں جو تلوار آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی‘اس کا قبضہ زریں تھا۔ سات زرہیں تھیں۔ذات الفضول۔ذات الوشاخ۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم ذکر ھجرت۔ (۲)۔ صحیح مسلم و ابوداؤد ذکر حجتہ الوداع۔ (۳)۔ کتاب الجہاد بغلتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۴)۔ فتح الباری ذکر غزوئہ حنین ج ۸ ص ۲۴۔ (۵)۔ باب غزوہ حنین۔

ذات الحواشی‘سعدیہ‘فضتہ‘تبرا‘خرنق‘ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تیس صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لیئے آپ ﷺ نے رہن رکھی تھی۔(۱)۔ اگرچہ عرب میں چمڑے کی زرہیں بھی ہوتی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں زوراء روحا صفرا بیضا کتوم‘شداد‘کتوم وہ کمان تھی جو غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی اور آپ ﷺ نے قتادہ کو دے دی تھی۔ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے۔چمڑے کی ایک پیٹی تھی جس میں چاندی کے تین حلقے تھے‘لیکن ابن تمیمہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو یہ نہیں پتہ لگا کہ آپ ﷺ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی۔ایک ڈھال تھی۔جس کا نام زلوق تھا۔پانچ برچھیاں تھیں‘لوہے کا ایک مغفر تھا جس کا نام موشح تھا ایک اور مغفر تھا جس کو سبوغ کہتے تھے تین جبے تھے جن کو آپ

لڑائی میں پہنتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک دیبائے سبز کا تھا ایک سیاہ علم تھا جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد و سفید علم تھے۔

آثار متبرکہ ::

ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبرکاً اپنے پاس رکھ کر چھوڑی تھیں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے عقیدت مندوں کو موئے مبارک عطائے فرمائے تھے جو زیادہ تر حضرت ابو طلحہ انصاری کے ہاتھ آئے تھے۔(۲)۔

حضرت انسؓ بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک تھے۔ ان کے پاس دو اور چیزیں تھیں نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ ذوالفقار جو حضرت علیؓ کے پاس تھی ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسینؓ کے ہاتھ آئی۔ بعض صحابہ نے آ کر ان خدمت میں عرض کی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپ ﷺ سے نہ چھن جائے۔ اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے لیکن انہوں نے یہ ایثار گوارا نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کے پاس وہ کپڑے تھے جن میں آپ ﷺ نے انتقال فرمایا (۳)۔ تھا۔ استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قبضہ میں آئے، لیکن ان ہی کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ انگوٹھی تو حضرت عثمان کے ہاتھ سے ایک کنویں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہیاہ غفاری (۴)۔ نے توڑ ڈالا امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیئے ایک خاص باب باندھا ہے۔

مسکن مبارک ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے دادا اور چچا کے گھروں میں پرورش پائی اور یہیں سن رشد کو پہنچے پچیس سال کی عمر میں

حضرت خدیجہؓ سے شادی کی یہ متیقین طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے لیکن آپ ﷺ کے حصہ کا ایک پدری مکان میں موجود تھا جس پر عقیل نے

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب البیوع' کتاب الرھن۔ (۲)۔ صحیح مسلم حجتہ الوداع۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الطھارت۔ (٤)۔ ان تمام آثار مذکورہ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس میں ھے۔ (٥)۔ خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کی کتاب اللباس میں ھے۔ عصائے مبارك کا حال فتح الباری ج ٦ صفحہ ١٤٨ سے ماخوذ ھے۔ "س"

جو آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' قبضہ کرلیا تھا' چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول ﷺ اللہ! آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے' آپ ﷺ نے فرمایا' عقیل نے ہمارے لیئے گھر کہاں (۱)۔ چھوڑا؟

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر قیام فرمارہے اس اثنا میں آپ ﷺ تنہا تھے۔ اہل وعیال مکہ ہی میں تھے۔ جب آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے اور اس وقت آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور ان ہی حجروں میں اتارا۔ (۲)۔

آخر ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں' جن میں نہ صحن تھا نہ دالان تھے' نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے' ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی' دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا۔ ان سے اندر دھوپ آتی تھی۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتیوں سے چھائی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیئے بال کے کمبل لپیٹ دیئے

جاتے تھے' بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو لیتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا (۲)۔ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرہ میں بسر فرماتے تھے۔ دن کو عموماً اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔

ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا جس کو احادیث میں "مشربہ" کہا گیا ہے ۹ھ میں جب آپ ﷺ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کر چوٹ کھائی تھی۔ تو ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی اس بالا خانہ پر سامان آرائش کیا تھا۔ ایک چٹائی کا بستر' چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ادھر ادھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ (۴)۔

کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا۔ تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔ (۵)۔ گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسند خاطر نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیئے مال نہیں دیا گیا۔ (۶)۔

یہ حجرہ مبارک آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہراتؓ کے قبضہ میں رہے۔ ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت ہو جاتا جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا (۷)۔ تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر لیئے گئے' تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے۔ ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے والی تھے۔ تمام حجرے بجز حجرہ عائشہؓ کے کہ وہ مدفن نبوی ہے توڑ کر مسجد نبوی

(۱)۔ بخاری فتح مکہ۔ (۲)۔ ابن سعد۔ (۳)۔ یہ پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان والبناء میں ہے۔ (٤)۔ ابوداؤد باب امامتہ القاعد۔ (٥)۔ صحیح بخاری صفحہ ۸٦۹ باب ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیجوز من اللباس و البسط۔ (٦)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۷۳ باب التطوع خلف المراہ۔ (۷)۔ ابوداؤد ج ۲ کتاب اللباس باب فی الصور۔ (۸)۔ ابن سعد جز نساء۔

میں ملا دیے گئے۔ جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور یادگار مٹ گئی۔ (۱)۔

دایہ ::

آنحضرت ﷺ کو جوتر کہ والد سے ملا تھا اس میں ایک حبشیہ کنیز بھی تھیں جن کا نام ام ایمنؓ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انا یا دایہ (۲)۔ وہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک زندہ رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ اب یہی میری خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں۔ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے عقد کیا تو ان کو آزاد کر کے حضرت زیدؓ سے جو آپ ﷺ کے متبنٰی اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے شادی کر دی۔ اسامہ انہی کے بطن سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح کا واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اونٹ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اونٹ کا بچہ دوں گا۔ بولی کہ بچہ لے کر کیا کروں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جتنے اونٹ ہیں'' اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں۔ ان ہی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزوات میں شریک رہیں جنگ احد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ جنگ خیبر میں بھی شریک تھیں۔ (۳)۔

خدام خاص ::

صحابہ میں سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں' فقہ حنفی کے بانی اول گویا وہی ہیں۔امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا سلسلہ ان ہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہے۔مکہ معظمہ میں قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت ﷺ کے ابتدائی زمانے میں ان ہی نے کی۔ ستر سورتیں خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدار بھی تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر پر جاتے تو خواب گاہ' وضو اور مسواک کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا۔جب آپ ﷺ مجلس سے اٹھتے تو جوتیاں پہناتے' راہ میں آگے آگے عصاء لے کر چلتے۔جب آپ ﷺ کہیں کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو نعلین مبارک اتار کر رکھ لیتے' پھر اٹھنے کے وقت سامنے لا کر رکھ دیتے۔جلوت وخلوت میں ساتھ رہتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن گئے تھے۔ (۴)۔

۲۔حضرت بلالؓ دنیا ان کو مؤذن کے لقب سے جانتی ہے (یہ حبشی نژاد غلام تھے) مکہ میں ایمان لائے تھے اور جس جوش وخروش سے ایمان لائے تھے' اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب میں گزر چکا ہے۔حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا۔اس وقت سے برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے آپ ﷺ کا خانگی انتظام ان

---

(۱)۔ ابن سعد جزء ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (۲)۔ صحیح مسلم باب رو المهاجرین الی الانصار منائحهم۔ (۳)۔ یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جز ثامن تذکرہ ام ایمن سے ماخوذ ہیں۔

(٤)۔ پوری تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے (مجملاً بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعود میں بھی یہ مذکور ہے۔)

ہی کے سپرد تھا۔ بازار سے سودا سلف لانا‘ قرض دام لینا‘ پھر ادا کرنا‘ مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں۔(۱)۔

۳۔ حضرت انسؓ بن مالک بھی آپ ﷺ کے خادم خاص تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کم سن تھے‘ ان کی ماں خدمت اقدس میں ان کو لائیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے لائی ہوں کہ خدمت گزاری کرے۔(۲)۔

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپ ﷺ کی خدمت کی۔ لوگوں کے پاس آنا جانا۔ چھوٹے چھوٹے کام کرنا‘ وضو کا پانی لانا‘ ان کے فرائض تھے۔ چونکہ ابھی کم سن تھے۔ ان کو کام کرنے نہیں آتے تھے‘ لیکن آپ ﷺ نے کبھی ان سے بازپرس نہ فرمائی۔(۳)۔

(۱)۔ ابوداؤد ۲ ص ۲۷ باب قبول هدایا المشرکین۔ (۲)۔ صحیح مسلم فضائل انس ﷺ (۳)۔ ابوداؤد کتاب الادب۔

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاق طبیعت

حلیہ اقدس ::

آپ ﷺ میانہ قد اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سفید سرخ تھا' پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے بنی مبارک درازی مائل تھی'چہرہ ہلکا یعنی پر گوشت نہ تھا۔ دہانہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے۔ گردن اونچی سر بڑا اور سینہ کشادہ اور فراخ' سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے' نہ بالکل سیدھے تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی'چہرہ کھڑا کھڑا تھا' آنکھیں سیاہ سرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں' شانے پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں' سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی' شانوں اور کلائیوں پر بال تھے' ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی کلائیوں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے' نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔(۱)۔

صحابہ پر آپ ﷺ کے حسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا'حضرت عبداللہؓ بن سلام جو پہلے یہودی تھے۔ پہلے پہل جب چہرہ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے خدا کی قسم! یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں (۲)۔ جابرؓ بن سمرہ ایک صحابی ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا۔ بولے ''نہیں ماہ وخورشید کی طرح۔'' یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا' میں کبھی آپ ﷺ کو دیکتا اور کبھی چاند کو دیکتا تھا' تو آپ ﷺ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے۔(۳)۔ حضرت براءؓصحابی کہتے ہیں کہ میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط) کے لباس میں آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ (۴)۔

آپ ﷺ کے پسینہ میں ایک طرح کی خوشبو تھی۔(۵)۔چہرہ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح (۶)۔ ڈھلکتے تھے۔جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی' حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ نہایت کھلتا تھا۔آپ ﷺ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا میں نے دیبا اور حریر بھی آپ ﷺ کی جلد سے زیادہ نرم نہیں دیکھے اور مشک وعنبر میں بھی آپ ﷺ کے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی۔(۷)۔

عام طور پر مشہور ہے کہ آپ ﷺ کے سایہ نہ تھا'لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

---

(۱)۔ یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۱۶'۱۱۷ میں اور مختصراً بخاری و مسلم باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بھی ہے۔ (۲)۔ ترمذی ابواب الزھدی ص ۴۰۹ (۳)۔ مشکوہ باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بحوالہ مسلم۔ (۴)۔ مشکوہ باب مذکور بحوالہ ترمذی دوارمی۔ (۵)۔ ایضاً۔ (۶)۔ بخاری واقعہ افک۔ (۷)۔ مشکوہ باب مذکور بحوالہ بخاری و مسلم۔

مہر نبوت ::

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی۔یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور) شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے۔

رایت الخاتم بین کتفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدہت حمراء مثل بیضہت الحمامہت۔

میں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شانہ کے پاس چند مہاسوں کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی' اسی کو مہر نبوت کہتے تھے۔(۱)۔ تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا

بھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا جس پر تل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

موئے مبارک ::

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے۔ فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے' مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ کفار کے مقابلہ میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے۔ ابتداء میں آپ ﷺ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے۔ یہ شمائل ترمذی کی روایت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا۔ اخیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے۔ (بالوں میں اکثر تیل ڈالتے تھے' اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے' ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے۔)

رفتار بہت تیز تھی' چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں۔ ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ تھا۔ یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا' لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

گفتگو اور خندہ وتبسم ::

گفتگو نہایت شریں اور دلآویز تھی' بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے' ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والوں کو یاد رہ جاتا۔ معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے۔ حالت گفتگو میں اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی' آواز بلند تھی حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں قرآن پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔ (۲)۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم (باب اثبات النبوہ) مشہور ہے کہ پشت پر جو

خاتم نبوت تھی اس میں گویا قدرتی طور پر کلمہ طیبہ تحریر تھا یہ بالکل بے سند بات ھے احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ محدثین نے تصریح کر دی ھے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بہت سی ضعیف ھیں ابن حجر فرماتے ھیں لم ثبیت منھاشی۔ زرقانی بر مراھب جلد اول صفحہ ۱۸٤ البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم میں منقوش تھا۔ جو انگشت مبارك میں خطوط پر مہر کرنے کی غرض سے آپ پہنا کرتے تھے لوگوں نے غلطی سے اس کو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔"س" (۲)۔ ابن ماجہ ماجاء فی القرأہ فی الصلوٰۃ اللیل۔

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ہند تھا اور وہ نہایت خوش تقریر تھے جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا آنحضرت ﷺ کیونکر تقریر فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا آپ ﷺ ہمیشہ متفکر رہتے تھے' اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے' کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔ بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں' ہنستے بہت کم تھے' ہنسی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ ﷺ کی ہنسی تھی۔ (۱)۔ جریر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپ ﷺ کو زیادہ ہنسی آتی تو داڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے' لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرز ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ ﷺ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواجذ نظر آئیں۔

لباس ::

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا۔ عام لباس چادر' قمیض اور تہمد تھی' پاجامہ کبھی

استعمال نہیں فرمایا‘لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے منیٰ کے بازار میں پاجامہ خرید ا تھا۔حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ ﷺ نے استعمال فرمائے بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرمی تھے عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے تھے عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی ۔اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا‘فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین میں یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔(۲)۔)

چادر ::

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادریں (۲)۔ پسند تھیں۔جن کو عربی میں حبرہ کہتے ہیں۔

عبا ::

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی اور ہاتھ کو آستین سے نکالنا پڑا۔نوشیروانی قبا بھی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سنجاف تھی استعمال کی ہے۔

کمبل ::

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہؓ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ ان ہی کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

حلہ حمراء ::

روایتوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حلہ حمراء بھی استعمال کیا ہے حمراء کے معنی سرخ

کے ہیں اس لیئے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیئے ہیں لیکن اب القیم نے اصرار کیساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سرخ لباس آپ ﷺ نے کبھی نہیں پہنا اور نہ مردوں کیلئے اس کو جائز رکھتے تھے حلہ حمراء ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں' اس بناء پر اس کو حمراء کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے عام محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں۔ زرقانی میں یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاہ سرخ 'سبز زعفرانی ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب (۴)۔ تھا(بعض

---

(۱)۔ شمائل ترمذی۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب اللباس۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب اللباس۔ (٤)۔ ابوداؤد ج ۲ کتاب اللباس۔ مسند ابن حنبل ج ۲٤۷۔

اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی۔

(۱)۔) نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں تسمے لگے ہوتے تھے' بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا۔جس میں روئی کی بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیاں پڑ جاتی تھی۔

انگوٹھی ::

جب آپ ﷺ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلاطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہیں کرتے' اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں اوپر تلے تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔بعض صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔

خود وزرہ ::

لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے۔احد کے معرکہ میں جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں، تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔

غذا اور طریقہ طعام ::

اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پرتکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے) تمام عمر آپ ﷺ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی تاہم بعض کھانے آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھے۔

مرغوب کھانے ::

سرکہ، شہد، حلوہ، روغن زیتون، کدو خصوصیت کے ساتھ پسند کرتے، سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے ایک دفعہ ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ بولیں کہ سرکہ ہے۔فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو اس کو نادار نہیں کہہ سکتے۔عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے؟ جس کو حیس کہتے ہیں۔یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے۔آپ ﷺ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن عباسؓ سلمیٰ کے پاس گئے اور کہا آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔اوپر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈالیں، پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا کہ یہ آپ ﷺ کی محبوب ترین غذا تھی۔

گوشت کے اقسام میں سے آپ ﷺ نے دنبہ، مرغ، بٹیر (حباری) اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے، دست کا گوشت بہت پسند تھا۔شمائل ترمذی میں حضرت عائشہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفسہ آپ ﷺ کو

چنداں مرغوب نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا' اس لیئے جب کبھی مل جاتا تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لیئے آپ ﷺ اسی کی فرمائش کرتے' لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ ﷺ کو یہ گوشت پسند تھا۔

(۱)۔ ابودائود ج ۲ کتاب اللباس لبس الصوف و الشعر۔

حضرت صفیہؓ کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلانا تھا تو صرف کھجور اور ستو تھا۔ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پتلی ککڑیاں پسند تھیں۔ ایک دفعہ معوذ بن عفراء کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں۔ (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے۔)

پانی' دودھ' شربت ::

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا دودھ کبھی خالص نوش فرماتے' کبھی اس میں پانی ملا دیتے۔ کشمش' کھجور' انگور' پانی میں بھگو دیا جاتا' کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا روایت میں اسی قدر ہے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہوگا۔ اس لیئے تاروں سے جوڑ دیا ہوگا۔

معمولات طعام ::

دستر خوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے' لیکن اس کو برا نہ کہتے' جو سالن سامنے ہوتا اس میں ہاتھ ڈالتے' ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے۔ میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی' عجم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے' چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امراء اور اہل جاہ کے لیئے مخصوص تھی۔ اس لیئے آپ ﷺ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا

کھانا صرف انگلیوں (۱)۔ سے کھاتے، گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ (۲)۔ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اس حدیث کے راوی ابومعشر نجیح ہیں، جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکرالحدیث ہیں اور ان ہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔ (۳)۔

خوش لباسی ::

گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ ﷺ کو نفرت تھی، لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نہایت قیمتی اور خوشنما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حروریہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے، حروریہ نے کہا۔ کیوں ابن عباس یہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر معترض ہو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔ (۴)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت متقشف تھے ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا۔ گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں جا کر واپس کر آئے۔ کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء (حضرت عائشہؓ کی بہن سے) کہا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ منگوا کر لوگوں کو دکھایا جس کی جیبوں اور آستینوں اور دامن پر دیبا کی (۵)۔ سنجاف تھی (بعض امراء و سلاطین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیش قیمت کپڑے ہدیہ بھیجے۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور کبھی زیب تن کیئے۔)

---

(۱)۔ غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زادالمعاد ابن قیم سے ماخوذ ہیں۔ (۲)۔ کتاب الاطعمہ باب القطع بالسکین۔ (۳)۔ قسطلانی شرح صحیح بخاری ج صفحہ ۲۵۲ مصر۔ (٤)۔ ابوداؤد کتاب اللباس باب جهں الصوف الشعر۔ (٥)۔ ابوداؤد باب الرخصته فی العلم و خط الحریر۔

مرغوب رنگ ::

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا' حدیثوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے۔(۱)۔(سفید رنگ بھی بہت پسند تھا فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے۔)

نامرغوب رنگ ::

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے۔ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ سرخ کپڑے پہن کر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے؟ عبداللہ نے جا کر آگ میں ڈال دیا۔آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا (۲)۔

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو مغرہ کہتے ہیں اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے۔ یہ رنگ آپ ﷺ کو نہایت ناپسند تھا۔ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں۔آپ ﷺ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے۔ حضرت زینبؓ سمجھ گئیں۔کپڑے دھو ڈالے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔ (۳)۔

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ایک دفعہ صحابہؓ نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے۔فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک (۴)۔دیں۔

خوشبو کا استعمال ::

خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند تھی' کوئی خوشبو کی چیز ہدیتاً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کا عطر ہوتا ہے جس کو سکہ کہتے ہیں۔یہ ہمیشہ آپ ﷺ کے استعمال

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے اور فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ بالوں کو درست کرے (۳)۔ ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اتار کر رکھ دی۔ (۴)۔ ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلے آتے تھے، پسینہ آیا تو تمام مساجد میں بو پھیل گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہا کر آتے تو اچھا (۵)۔ ہوتا اسی دن سے غسل جمعہ ایک حکم شرعی بن گیا۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے کا التزام تھا۔ ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے۔ کہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مساجد میں بچے اور مجنوں نہ جانے پائیں اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے اور یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیاں جلائی جائیں۔ اہل عرب بدویت کے اثر سے لطافت اور صفائی کا نام نہیں جانتے تھے اس بنا پر اس خاص باب میں آپ ﷺ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی اور آج بھی بدویوں میں عموماً پائی جاتی ہے کہ راستہ میں بول و براز کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ احادیث میں کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستہ میں یا درختوں کے سایہ میں بول و براز کرتے ہیں۔ امراء کا دستور ہے کہ کاہلی کی وجہ سے کسی برتن میں پیشاب کر لیا کرتے ہیں اس سے بھی منع فرماتے تھے۔ (۶)۔

عرب میں پیشاب کے بعد استنجاء کرنے یا پیشاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا۔ آپ ﷺ ایک دفعہ راہ میں جا رہے تھے دو قبریں نظر آئیں۔ فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشاب سے

محفوظ نہیں رکھتا تھا۔(۷)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے' دیواروں پر جا بجا دھبے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ٹہنی تھی' اس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبے مٹائے۔ پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ میں فرمایا۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے۔ جبکہ کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے داہنے جانب ہوتے ہیں' اس لیئے انسان کو سامنے یا دائیں جانب تھوکنا نہیں چاہیئے۔

ایک صحابی نے عین نماز میں (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے۔ نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ ہاں تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیت دی۔(۹)۔

---

(۱)۔ نسائی صفحہ مطبوعہ نظامی باب التحور۔ (۲)۔ نسائی صفحہ ۵۹ باب کراهیته ریح الحنا۔ (۳)۔ ابوداؤد کتاب اللباس۔ (٤)۔ ایضًا۔ (٥)۔ اس مضمون میں متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسل جمعه) میں باختلاف الفاظ و واقعات مذکور هیں۔ (٦)۔ ترغیب و ترهیب کتاب الطهاره۔ (٧)۔ صحیح بخاری عذاب القبر۔ (٨)۔ ترغیب و ترهیب۔ (٩)۔ ایضًا باب البصاق فی المسجد۔

بودار چیزوں مثلاً پیاز' لہسن اور مولی سے نفرت تھی' حکم تھا کہ یہ چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔ بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص پیاز' لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے' ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ ﷺ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع میں پہنچا دیا جائے۔(۱)۔

سواری کا شوق ::

گھوڑے کی سواری آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھی (آپ ﷺ فرمایا کرتے الخیل معقود نواصیھا الخیر گھوڑوں کے علاوہ گدھے خچر اونٹ پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لحیف تھا' گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام ولدل اورتیہ اور اونٹنیوں کا نام قصواء اور غضباء تھا۔

اسپ دوانی ::

مدینہ سے باہر ایک میدان تھا۔ جس کی سرحد حصباء سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی یہاں گھوڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔ گھوڑے جو مشق کے لیئے تیار کرائے جاتے تھے۔ ان کی تیاری کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانا گھاس کھلاتے تھے۔ جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چارجامہ کستے' پسینہ آتا اور خشک ہوتا۔ روزانہ یہ عمل جاری رہتا۔ رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا خشک ہو کر ہلکا پھلکا' چھریرا بدن نکل آتا' یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام سنجہ تھا۔ ایک دفعہ اس کو آپ ﷺ نے بازی میں دوڑایا۔ اس نے بازی جیتی تو آپ ﷺ کو خاص مسرت ہوئی۔ (۲)۔

گھوڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا۔ انہوں نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کیئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ (۳)۔

۱۔ گھوڑوں کی صفیں قائم کی جائیں اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی یا بچہ کو ساتھ رکھنا یا زین الگ کر دینی ہو الگ کر لے۔

۲۔ جب کوئی آواز نہ دے تو تین دفعہ تکبریں کہی جائیں۔ تیسری تکبیر پر گھوڑے

میدان میں ڈال دیئے جائیں۔

۳۔ گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ آگے نکل گیا۔

حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیوں کو دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے۔ گھوڑے ان ہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔ اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص سواری کا نام عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا۔

---

(۱)۔ مسلم و نسائی و ابن ماجہ۔ (٦)۔ نسائی صفحہ ٥٦٧ باب حب الخیل۔ (۲)۔ دارقطنی ج ۲ صفحہ ٥٥٢ کتاب السبق بین الخیل مسند احمد اور بیہقی میں بھی واقعہ مذکور ھے۔) (۳)۔ یہ پوری تفصیل دراقطنی ص ٥٥٣' ٥٥٤ و کتاب السبق میں الخیل میں ھے' لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ھے۔

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضباء سے آگے نکل گیا۔ تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردن اٹھائے اس کو نیچا دکھائے۔(۱)۔

رنگوں میں صندلی' مشکی اور کمیت بہت پسند تھا۔(۲)۔ گھوڑوں کی دم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل (۳)۔ ہے۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری و نسائی و دراقطنی و مسند احمد عن انس باب الرھان والسبق۔ (۲)۔ نسائی مطبوعہ نظامی ص ٥٦٧ (باب مایستحب من مشنیہ الخیل) (۳)۔ کتب سنن کتاب الادب۔

معمولات

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے‘ ایک عبادت الہٰی کے لیئے دوسرا عام خلق کے لیئے اور تیسرا اپنی ذات کے لیئے۔)

صبح سے شام تک کے معمولات ::

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا (۱)۔ (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ کر بیٹھتے اور آپ ﷺ ان کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے۔ (۲)۔)

اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے۔ آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔ (۳)۔ کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے۔ (۴)۔ اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی۔ لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے شعر پڑھتے‘ ہنسی خوشی کی باتیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسکرا دیتے۔ (۵)۔ اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف وخراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے۔ (۶)۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار‘ کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے۔ گھر جا کر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے‘ پھٹے کپڑوں کو سیتے‘ جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے‘ دودھ دوہتے۔ (۷)۔

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے‘ پھر جس کی باری ہوتی وہیں رات بسر فرماتے‘ تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں۔ عشاء تک صحبت (۸)۔ رہتی پھر نماز عشاء کے لیئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سو رہتے۔ ازواج مطہرات رخصت ہو جاتیں۔ نماز عشاء کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔ (۹)۔

خواب ::

عام معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے' سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورت (بنی اسرائیل' زمر' حدید' حشر' صف' تغابن' جمعہ) پڑھ کر سوتے' شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے:

اللھم باسمك امرت واحیی

خدایا تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔

جاگتے تو فرماتے:

الحمدلله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور۔

اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم باب تیسمة صلعم و ابوداؤد ص ۳۱۸ (۲)۔ جامع ترمذی۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب التعبیر۔ (٤)۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر۔ (٥)۔ نسائی باب قعود الامام فی مصلاہ۔ (٦)۔ بخاری اور حدیث کی کتابوں میں متعدد جزئی واقعات مذکور ھیں۔ (۷)۔ صحیح بخاری ما یکون الرجل فی مهنته مسند حنبلی و مسند عائشه۔ (۸)۔ صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات۔ (۹)۔ بخاری صلوۃ العشاء۔

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے' مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی' اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے۔ آپ ﷺ کی سجدہ (۱)۔ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی۔ ہمیشہ کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے' لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آ جائے' نیند میں کسی قدر خراٹے کی آواز تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا' کبھی معمولی بستر پر' کبھی کھال پر' کبھی چٹائی اور کبھی خالی

زمین پر آرام فرماتے۔(۲)۔

عبادت شبانہ ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا ان سے مروی ہے کہ جب سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آ گیا۔ بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں۔ سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلسہ کرتے' پھر دو رکعت اور ادا کرتے' اس طرح ۱۱ رکعتیں ہو جاتیں' لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے' کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں ۱۲ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔(۲)۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی' سو کر اٹھتے پہلے مسواک فرماتے' پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آ کر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ ﷺ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ زمین پر فرش بچھا ہوا تھا آپ ﷺ نے اس پر آرام فرمایا میں سامنے آڑا سویا۔ قریبا رات ڈھلے آپ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ آل عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں' پانی کی مشک لٹکی ہوتی تھی اس سے وضو کیا' پھر نماز شروع کی' میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا

ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا۔ ۱۳ رکعتیں پڑھ کر آپ سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی۔ صبح ہوتے حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ آپ ﷺ اٹھے، اور فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔

---

(۱)۔ یعنی سجدہ کا مقام جہاں بحالت نماز آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے "س" (۲)۔ یہ پوری تفصیل زرقانی میں حدیث کی متعدد کتابوں کے حوالے سے مذکور ہے۔ (۳)۔ سنن ابوداؤد باب الصلوٰۃ اللیل۔ (٤)۔ صحیح و مسلم و مسند ج ٥ صفحہ ٢٢٥۔

معمولات نماز ::

ابتداء میں آپ ﷺ ہر نماز کے لیئے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی، فتح مکہ میں آپ ﷺ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ تاہم عادتاً آپ ﷺ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے۔ اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرکے اور تین بار پاؤں کو دھوتے (۱)۔ بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دوبارہ اور کسی کو ایک بار دھوتے۔ (۲)۔

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے۔ اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ ﷺ نے سورہ فاتحہ پڑھی یا نہیں (۳)، لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے، حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے مکہ میں نماز فجر میں سورہ مومنین پڑھی۔ اسی طرح کبھی واللیل اذا یغشی اور کبھی سورۂ ق پڑھتے صحابہؓ کا اندازہ ہے کہ آپ ﷺ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے۔ تاہم ابتداء کی دو رکعتوں

میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شامل ہو جاتا تھا۔ صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں آپ اس قدر قیام فرماتے تھے جس میں الم تنزیل السجدہ کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ جابرؓ بن سمرہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپ ﷺ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔

مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورۂ طور پڑھتے (۴)۔ تھے۔

عشاء کی نماز میں والتین والزیتون اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔ تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے مثلاً سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ یسبح للہ ما فی السموت اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنفقون اور کبھی سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتاک پڑھتے تھے اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑ جاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن کی نماز صبح میں الم تنزیل السجدہ اور ھل اتی علی الانسان حین من

---

(۵)۔ مسلم ج ۱۰۸ باب آخر صفتہ الوضو و اکمالہ۔ (۱)۔ مسلم ج ۱ صفحہ ۱۱۰ باب آخر فی صفتہ الوضو۔ (۲)۔ مسلم ج ۱ صفحہ ۲۷۰ باب رکعتی سنتہ الجفر والحث علیہا۔ (۳)۔ مسلم ج ۱ صفحہ ۱۷۷ باب القراہ فی الظہر والعصر و غیرھما۔

الدھر پڑھنے کا معمول تھا۔ (۱)۔

معمولات خطبہ ::

وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیئے آپ ﷺ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے۔ بالخصوص جمعہ کے لیئے تو خطبہ لازمی تھا۔ جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے' مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں کو سلام کرتے' پھر منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیتے۔ پہلے ہاتھ میں ایک عصاء ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا' خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے۔ جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورۂ ''ق'' پڑھتے تھے۔ (۲)۔ اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آ جاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے۔ پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے' اسی حالت میں ایک آدمی نے آ کر کہا یا رسول اللہ! میں مسافر آدمی ہوں' اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں۔ اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں آپ ﷺ منبر سے اتر آئے۔ ایک کرسی رکھ دی گئی۔ اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی۔ پھر جا کر خطبہ (۳)۔ کو پورا کیا۔ ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ امام حسن علیہ السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا۔ منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھا لیا اور یہ آیت پڑھی۔

انما اموالکم و اولادکم فتنۃ۔ (۴)

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے' چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی؟

اس نے کہا نہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا۔اٹھو اور پڑھو۔(۵)۔

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ میں تلوار لے کر کھڑے ہوتے تھے لیکن ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی ۔(۶)۔ وعظ و ارشاد کیلئے عموماً ناغہ دے کر خطبہ دیا کرتے تھے تا کہ لوگ گھبرا نہ جائیں۔ (۷)۔

معمولات سفر ::

حج‘عمرہ‘اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ ﷺ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی ۔سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ پڑتا وہ ہم سفر ہوتیں ۔(۸)۔جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے اور صبح کے تڑکے روانہ ہو جاتے تھے ۔افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ (۹)۔فرماتے تو اسی وقت جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور

(۱)۔ یہ تمام روایتیں صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ کتاب الجمعہ والعیدین میں مذکور ہیں۔ (۲)۔ صحیح مسلم۔ (۳)۔ ادب المفرد مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۸ باب الجلوس علی السریر۔ (٤)۔ جامع ترمذی مناقب حسنینؓ (۵)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۲۷ باب اذاری امام رجلا جاء وھو یخطب امرمان یصلی رکعتیں۔ (۶)۔ زادالمعادج اول ص ۱۲۱ فصل فی ھدیہ فی خطبہ۔ (۷)۔ بخاری ج (باب ما کان النبی تیخرلھم بالمرعظتہ۔ (۸)۔ بخاری ج ۲ باب حدیث الافک کتاب المغازی۔ (۹)۔ کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفرو باب فی الابتکار فی السفر۔

جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے ۔اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون (۱)۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنادیا' حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے نہیں۔

پھر یہ دعا کرتے:

اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقوی و من العمل ما ترضی اللھم ھون علینا سفرنا واطومنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم ان اعوذبک من وعثاء السفر وکابۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال۔

خداوند! اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی' پرہیز گاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں۔خداوند! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے۔خداوند سفر میں تو رفیق ہے۔بال بچوں کے لیئے تو ہمارا قائم مقام ہے خداوندا میں سفر اور واپسی کے آلام مصائب اور گھر بار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کر دیتے۔

راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو زمزمہ ریز تسبیح ہوتے۔صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے۔جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے۔(۲)۔

یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک و شرما فیک و شرما خلق فیک و شرما یدب علیک واعوذبک من اسدو اسود ومن الحیۃ و العقرب

ومن ساکنی البلد ومن والد وما ولد۔ (۳)۔

اے زمین! میرا خدا تیرا پروردگار خدا ہے۔ میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں' خداوند تجھ سے شیر' سانپ' بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم رب السموت السبع وما اظللن و رب الارضین السبع وما اقللن و رب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسئالك خیر ھذہ القریھت و خیر اھلھا واعوذبك من شرھا وشر

خداوند! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ فگن ہیں' اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں اے شیاطین اور ان تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں اے

ہوا

(۱)۔ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے' پھر یہ دعا پڑھتے۔

سبحانك انی ظلمت نفسی فاغفرلی انه لا یغفر الذنوب الا انت (ابو دائود' کتاب الجہاد' باب ما یقول الرجل اذا رکب) (۲)۔ابو دائود کتاب

الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر۔ (۳)۔
زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی السفر۔اهلها وشرما
فیها (ابوداؤد کتاب الجہاد' باب ما یقول الرجل از
منزل المنزل)

اوران تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں' میں تجھ
سے اس گاؤں اوراس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی
درخواست کرتا ہوں اوراس گاؤں اوراس گاؤں کے رہنے
والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے (۱)۔پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تا کہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلیں۔(۲)۔

معمولات جہاد ::

جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیز گاری اختیار کرنے اوراپنے رفقاء کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے۔ پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے:

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ
اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تعثلوا ولا تقتلوا
ولیدا۔

خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو'خیانت اور بدعہدی
نہ کرنا'مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا'بچوں کو قتل نہ کرنا۔

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے۔(۳)۔

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

استودع اللہ دینکم واماناتکم و خواتیم اعمالکم

۔(۴)

میں تمہارے قرض کو' امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو

خدا کے حوالے کرتا ہوں۔

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے۔ صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے (۵)۔ اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے۔(۶)۔ جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لیئے وہاں تین دن تک قیام فرماتے۔(۷)۔ جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے۔(۸)۔ جب میدان جہاد میں شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

اللھم انت عضدی ونصیری بك احول وبك اصول

وبك اقاتل۔ (۹)۔

خداوندا تو میرا دست و بازو ہے تو میرا مددگار ہے۔ تیرے

سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں' حملہ کرتا ہوں اور لڑتا

ہوں۔

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق۔ (۳)۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تا میرالامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بباداب الغز وغیرھا۔ (۴)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعا عندالوداع۔ (۵)۔ بخاری کتاب المغازی ذکر غزوئہ خیبر۔ (۶)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء۔ (۷)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عندالظہور علی العدوبار صنھم۔ (۸)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ (۹)۔ ابوداؤد کتاب باب ما یدعی عنداللقاء۔

معمولات عیادت وعزا ::

بیماروں کی عیادت (۱)۔وغم خواری آپ ﷺ ضرور فرماتے تھےاور صحابہ کوارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے۔ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کا موت کا وقت آ جاتا تو صحابہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دیتے۔آپ ﷺ اس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے اس کے لیئے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے۔یہاں تک کہ دم واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپ ﷺ کو تکلیف ہونے لگتی۔صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو آپ ﷺ کو اس کی موت کی خبر دیتے۔آپ اس کے مکان پر تشریف لے جاتے۔اس کے لیئے استغفار فرماتے' جنازہ کی نماز پڑھتے۔اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے' لیکن صحابہ کو آخر آپ ﷺ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اس لیئے خود جنازہ آپ ﷺ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گیا۔(۲)۔

عیادت کے لیئے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسکین دیتے' پیشانی اور نبض (۳)۔پر ہاتھ رکھتے اس کی صحت کے لیئے دعا فرماتے (۴)۔اور کہتے انشاءاللہ طہور' خدا نے چاہا تو خیریت ہے۔کوئی بد فالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آ کر بیمار پڑ گیا۔آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیئے تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرماتے۔اس نے کہا تم نے خیریت کہا شدید تپ ہے جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اب یہی ہو۔(۵)۔

معمولات ملاقات ::

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے' کوئی

شخص اگر جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹائے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ (۲)۔

جو شخص حاضر ہونا چاہتا، دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے السلام علیکم کہتا۔ پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (خود بھی آپ ﷺ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیتے۔ ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو۔ یعنی پہلے سلام کرتے تب اجازت مانگتے۔

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں کلدہ یونہی بے اجازت چلے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔ (۷)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب وجوب عیادہ المریض۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ٦٦ (۳)۔ صحیح بخاری باب وضع الیدعلی المریض۔ (٤)۔ باب دعاء العائد للمریض۔ (٥)۔ باب عیادت العراب۔ (٦)۔ ابودائود و ترمذی۔ (۷)۔ یہ دونوں روایتیں ابودائود ج ۲ صفحہ ۱۵٦ میں ہیں۔

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور زیادہ دیر دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا کون ہے بولے میں۔ آپ نے فرمایا۔ "میں میں" یعنی یہ کیا طریقہ ہے؟ نام بتانا چاہیئے۔

جب آپ ﷺ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے

ہوتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا۔)

اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعدؓ بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہوکر اذن طلبی کے لیئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔ سعدؓ نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں سنا۔ حضرت سعدؓ کے فرزند قیس بن سعدؓ نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے؟ حضرت سعدؓ نے کہا چپ رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لیئے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعدؓ نے پھر اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تیسری دفعہ اسی طریقہ سے اذان طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ ﷺ واپس چلے۔ حضرت سعدؓ نے آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا کلام سن رہا تھا، لیکن آہستہ جواب دیتا تھا(کہ آپ ﷺ بار بار سلام فرمادیں (۱)۔)

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے ایک بار آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے بیٹھنے کے لیئے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا، لیکن آپ زین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے درمیان آ گیا۔ (۲)۔)

معمولات عامہ ::

(تیمن یعنی داہنی طرف سے داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ ﷺ کو محبوب تھا۔ جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے، مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے۔ مجلس میں کوئی چیز تقسیم

فرماتے تو داہنی طرف سے اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔)

---

(۱)۔ ابو دائود کتاب الادب۔ (۲)۔ ادب المفرد صفحہ ۲۱۹۔

۔۔۔۔۔۔اختتام۔۔۔۔۔حصہ دوم۔۔۔۔۔جزو اول۔۔۔۔۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006 WWW.

فہرست

مجالس نبوی ؐ

دربار نبوت ::

مجالس ارشاد ::

آداب مجالس ::

اوقات مجلس ::

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس ::

طریقہ ارشاد ::

مجالس میں شگفتہ مزاجی ::

فیض صحبت ::

خطابت نبوی ﷺ

طرز بیان ::

آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت ::

اثر انگیزی ::

عبادات نبوی ﷺ

دعا اور نماز ::

روزہ ::

زکوہ ::

حج ::

دوام ذکر الٰہی ::

ذوق وشوق ::

میدان جنگ میں یاد الٰہی ::

IqbalCyberLibrary
All rights reserved
©2002-2006

تقشّف ناپسند تھا ::

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی ::

سادگی اور بے تکلفی ::

امارت پسندی سے اجتناب ::

مساوات ::

تواضع ::

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے ::

شرم وحیاء ::

اپنے ہاتھ سے کام کرنا ::

دوسروں کے کام کر دینا ::

عزم واستقلال ::

شجاعت ::

راست گفتاری ::

ایفائے عہد ::

زہد وقناعت ::

عفو وحلم ::

دشمنوں سے عفو ودرگزر اور حسن سلوک ::

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ ::

یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ ::

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت ::

دشمنان جان سے عفو ودرگزر ::

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر ::

بچوں پر شفقت ::

غلاموں پر شفقت ::

مستورات کے ساتھ برتاؤ ::

حیوانات پر رحم ::

رحمت ومحبت عام ::

رقیق القلبی ::

عیادت وتعزیت وغمخواری ::

لطف طبع ::

اولاد سے محبت ::

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ معاشرت

حضرت خدیجہؓ

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

شکل وشباہت ::

اخلاق وعادات ::

روایت حدیث ::

وفات ::

حضرت عائشہ::

وفات ::

علمی زندگی ::

حضرت حفصہؓ::

وفات ::

حضرت زینب ام المساکینؓ

حضرت ام سلمہؓ

وفات ::

فضل و کمال ::

حضرت زینبؓ

وفات ::

حضرت جویریہؓ

حضرت ام حبیبہؓ

حضرت میمونہؓ

وفات ::

حضرت صفیہؓ

اولاد

حضرت قاسمؓ

حضرت زینبؓ

حضرت رقیہؓ

حضرت ام کلثومؓ

حضرت فاطمہ زہراؓ

حضرت ابراہیمؓ

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہراتؓ اور اہل و عیال کی سادہ زندگی ::

انتظام خانگی ::

...ں کے مصارف کا انتظام ::

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مجالس نبویؐ

دربار نبوت ::

شہنشاہ کونین کا دربار نقیب و چاوش اور خیل و حشم کا دربار نہ تھا۔ دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے۔ تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکر تصویر نظر آتا تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں یعنی کوئی شخص ذرا بھی جنبش نہیں کرتا تھا۔ گفتگو کی اجازت میں ترتیب کا لحاظ رہتا تھا' لیکن یہ امتیاز مراتب نسب و نام یا دولت و مال کی بناء پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بناء پر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے آپ ﷺ اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کی معروضات سن کر ان کی حاجت براری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے خود بھی آپ ﷺ متودب ہو کر بیٹھتے۔ جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھا جاتا' کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا۔ اہل حاجت عرض مدعا میں ادب کی حد سے بڑھ جاتے تو آپ ﷺ کمال علم کے ساتھ برداشت فرماتے۔

آپ ﷺ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے' کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو آپ ﷺ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا۔ آپ ﷺ بھی اس میں شامل ہوتے۔ ہنسی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے' خود بھی مذاقیہ باتیں فرماتے' کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے اور فرماتے اکرموا کریم مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے؟ یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔

ایران میں معمول تھا کہ جب مجلس میں کوئی معزز شخص آ جاتا تو سب تعظیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی قاعدہ تھا کہ رؤسا اور امراء جب دربار جماتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔ آپ ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں اور اس کو اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈنی چاہیے۔ (۱)۔ البتہ جوش محبت میں آپ ﷺ کسی کسی کے لیئے کھڑے ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا جب کبھی آ جاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی چومتے (حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیئے بھی آپ ﷺ نے اٹھ کر چادر بچھا دی تھی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ کے رضائی بھائی آئے تو ان کے لیئے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ (۲)۔

---

(۱)۔ ابو دائود کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل۔ (۲)۔ ابو دائود کتاب الادب بر الوالدین۔

ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی، کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں آنے پاتا کہ دوسرا شخص اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپ ﷺ تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرما دیتے۔ (۱)۔

ایک دفعہ دو شخص مجلس اقدس میں حاضر تھے ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا۔ معزز صاحب کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے اسلامی شعائر کے موافق الحمدللہ نہیں کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی۔ انہوں نے الحمدللہ کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا۔ معزز صاحب نے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کہا، تم نے خدا کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا۔ (۲)۔

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ ﷺ تک نہ پہنچائیں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی

طرف سے صاف جاؤں۔(۳)۔

مجالس ارشاد ::

آنحضرت (۴)۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر حضر، جلوت، خلوت، نشست برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے، اس بنا پر آپ ﷺ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیئے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو۔ وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجد نبوی ﷺ میں منعقد ہوئی تھیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ ﷺ وہاں نشست فرماتے۔ ابتداً ءآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست کے لیئے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی۔ صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا۔ آپ ﷺ اس پر تشریف رکھتے باقی دونوں طرف صحابہ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔(۵)۔

آداب مجالس ::

ان مجالس میں آنے والوں کے لیئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ عموماً بدو اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے باکانہ سوال جواب کرتے۔ خلق نبوی کا منظر ان مجالس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے۔ آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں۔ صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمت اقدس میں حاضر ہیں۔ ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اور حاشیہ نشینوں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے۔ ''محمد ﷺ کون ہے؟'' صحابہ بتاتے ہیں کہ یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ وہ کہتا ہے اے ابن عبدالمطلب میں تم سے نہایت سختی سے سوال کروں گا خفا نہ ہونا۔ آپ ﷺ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔(۶)۔

بایں ہمہ سادگی وتواضع۔ یہ مجالس رعب و وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وتلقینات کا دائرہ' اخلاق' مذہب اور تزکیہ نفوس تک محدود تھا۔ اس کے علاوہ اور باتیں منصب نبوت سے خارج تھیں' لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتیں پوچھتے تھے۔ مثلاً یا رسول ﷺ اللہ میرے باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔

---

(۱)۔ یہ تمام تفصیل شمال ترمذی کی دو مفصل روایتوں سے ماخوذ ھے جن میں آنحضرت ﷺ کے عام اخلاق کا ذکر ھے۔ (۲)۔ ادب المفرد امام بخاری۔ (۳)۔ ابوداؤد کتاب الادب۔ (٤)۔ اضافہ تا ص ۲۳۲ (٥)۔ ابوداؤد باب القدر۔ (٦)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۱٥ کتاب الایمان۔

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کیئے گئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ''جو پوچھنا ہو پوچھو میں سب کا جواب دوں گا۔'' حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا۔(۱)۔ رضیت الخ۔

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا۔ ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرح تعجب سے دیکھا۔ اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپ ﷺ گفتگو کرتے ہوتے' کوئی صحرا نشین بدو جو آداب مجلس سے ناواقف ہوتا۔ دفعتاً آ جاتا' اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیٹھتا' آپ ﷺ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے ایک دفعہ آپ ﷺ تقریر فرما رہے تھے۔ ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے' حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا۔ کسی نے کہا' لیکن آپ ﷺ کو ناگوار ہوا۔ آپ ﷺ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ بدو نے کہا۔ میں یہ حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب

لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے۔ بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی۔فرمایا جب نااہلوں کے ہاتھ میں کام آئے گا۔(۲)۔

اوقات مجلس ::

اس قسم کی مجالس کے لیئے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا' نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روحانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ﷺ ٹھہر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی۔ چنانچہ کعبؓ بن مالک پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس میں آکر آنحضرت ﷺ کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے۔خودان کے الفاظ یہ ہیں:

واتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فاسلم علیه وهو فی مجلسه بعد الصلوٰة فاقول فی نفسی هل حرك و شفتیه بردالسلام ام لا۔ (۳)۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا تھا سلام کرتا تھا اور آپ ﷺ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب ہلائے یا نہیں۔

صبح کی مجلسوں میں کبھی کبھی آپ ﷺ وعظ فرماتے' ترمذی اور ابو داؤد میں عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے۔

وعظنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما بعد صلوٰة الغداة موعظة بلیغة ذرفت منها العیون ووجلت منها القلوب (۴)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ کیا' جس سے آنکھیں اشکریز ہوگئیں اور

دل کانپ اٹھے۔

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزئی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی' لیکن ان واقعات کے علاوہ آپ ﷺ خاص طور پر حقائق و معارف کے اظہار کے لیئے مجالس منعقد فرماتے تھے' یہی مجالس ہیں۔ جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

کان یوما بارزا للناس (۵)۔

آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کیلئے باہر نکلتے تھے۔

---

(۱)۔ بخاری کتاب العلم۔ (۲)۔ ایضًا صفحہ ۱۴۔ (۳)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۲۳۵ حدیث کعبؓ بن مالک۔ (۴)۔ ترمذی صفحہ ۴۴۰۔

چونکہ افادہ عام ہوتا تھا اس لیئے آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آکر واپس چلے جاتے ان پر آپ ﷺ بہت ناراض ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے۔ ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہیں بیٹھ گئے دوسرے صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا۔ اس لیئے سب کے پیچھے بیٹھے' لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے۔ آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اس میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی۔ خدا نے بھی اس کو پناہ دی' ایک نے حیاء کی' خدا بھی اس سے شرمایا۔ ایک نے خدا سے منہ پھیرا' خدا نے بھی اس سے منہ پھیر (۲)۔ لیا۔

پند و نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیئے جائیں' لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں' اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دے کر منعقد فرماتے تھے۔ بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحولنا

بالموعظۃ فی الایام کراھۃ السامۃ علینا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔

عورتوں کے لیئے مخصوص مجالس ::

ان مجالس کا فیض زیادہ تر مردوں تک محدود تھا اورعورتوں کوموقع کم ملتا تھا۔اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیئے خاص دن مقرر فرمایا جائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درخواست منظور کی اوران کے وعظ وارشاد کے لیئے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔(۳)۔

اگر چہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہرقسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونان حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں۔جوخاص پردہ نشینوں سے تعلق رکھتے تھے۔تاہم جب کوئی پردہ کاواقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا۔تو فرط حیاء سے آپ ﷺ کو ناگوار ہوتا۔

اس قسم کے پردے کی بات مرد بھی مجمع عام میں پوچھتے تو آپ ﷺ کوتکدر ہوتا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصم تھا) مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کوغیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہوااور آپ ﷺ نے ان کوملامت کی۔(۴)۔

طریقہ ارشاد ::

کبھی کبھی آپ ﷺ خودامتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے اس سے لوگوں کی جودت فکر اوراصابت رائے کا اندازہ ہوتا۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جومسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے۔لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف

گیا۔میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا' لیکن میں کم سن تھا اس لیئے جرات نہ کرسکا بالآخر لوگوں نے عرض کی کہ حضور بتائیں۔ارشادفرمایا۔"کھجور"عبداللہ بن عمرکوتمام عمرحسرت رہی کہ کاش میں نے جرات کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا (۵)۔ ہوتا۔

(۱)۔سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲۔ (۲)۔بخاری ج ۱ صفحہ ۲۰ کتاب العلم۔ (۳)۔بخاری کتاب العلم۔ (۴)۔ایضا۔ (۵)۔سنن ابن ماجہ ص ۲۱' باب فضل العلماء۔

ایک روز آپﷺ مسجد میں تشریف لائے' صحابہ کے دو حلقے قائم تھے' ایک قرآن خوانی اور ذکرو دعاء میں مشغول تھا اور دوسرے حلقہ میں علمی باتیں ہورہی تھیں۔ آپﷺ نے فرمایا دونوں عمل خیر کررہے ہیں' لیکن خدا نے مجھ کوصرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔یہ کہہ علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔(۱)۔

ان مجالس میں دقیق مباحث کوجن کی تہہ تک عوام نہیں پہنچ سکتے ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہورہی تھی۔آپﷺ نے سنا تو حجرہ سے نکل آئے۔آپﷺ کا چہرہ اس قدر سرخ ہوگیا تھا۔گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہیں۔آپﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کیاتم اس لیئے پیدا کیئے گئے ہو'قرآن کو باہم ٹکرارہے ہو' گذشتہ امتیں ان ہی باتوں سے برباد ہوئیں۔(۲)۔

ان مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا صحیح فیصلہ کردیتے۔مثلاً شہرت طلبی اور جاہ پرستی خلوص عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے اور خود صحابہ کے زمانہ میں بھی سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں دوشخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی۔

ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہہ کر نیزہ مارا کہ

میرا اوار لینا میں عقاری جوان ہوں تو اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا' میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا۔ تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سن کر کہا میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں' اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا۔ ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔ (۳)۔

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عملیہ کے بے کار کر دینے کا نام تقدیر ہے' تقدیر میں جو کچھ لکھا ہو گا۔ اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی' لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً منعقد ہو گئی تھی' اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہیں۔ انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتہ تقدیر ہیں اس لیئے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں۔ چنانچہ صحابہ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی' اس سے زمین کریدنے لگے۔ پھر فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جس کی جگہ جنت یا دوزخ میں نہ لکھی جا چکی ہو۔ ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں؟ جو شخص سعادت مند ہو گا وہ خود بخود سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بد بخت ہو گا وہ بد بختوں سے جا ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور بد بخت وہ ہیں جن کے لیئے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ (۴)۔

مجالس میں شگفتہ مزاجی ::

باوجود اس کے کہ ان مجالس میں صرف ہدایت' ارشاد' اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کان الطیر فوق رؤسھم تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔ ایک

دن آپ ﷺ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی

(۱)۔ سنن ابن ماجہ ص ۹ باب القدر۔ (۲)۔ ایضًا۔ (۳)۔ ابو داؤد ج ۲ صفحہ ۱۱۳۔ (٤)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۳۸ تفسیر و کذب بالحسنی۔

خواہش کی۔ خدا نے کہا کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً بوؤں اور ساتھ ہی تیار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اگا، بڑھا اور کاٹنے کے قابل ہو گیا۔ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہو گی جو زراعت پیشہ ہیں لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں، آپ ﷺ ہنس پڑے۔(۱)۔

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا۔ ارشاد ہوا کیوں؟ بولے میں نے رمضان میں بیوی سے ہم بستری کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک غلام آزاد کرو۔ بولے غریب ہوں۔ غلام کہاں سے لاؤں ارشاد ہوا، دو مہینے کے روزے رکھو، بولے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، بولے اتنا مقدور نہیں۔ اتفاق سے کہیں سے زنبیل بھر کر کھجوریں آ گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو غریبوں کو خیرات کر آؤ۔ عرض کی اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنایا۔ سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں۔ آپ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھالو۔(۲)۔

فیض صحبت ::

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔(۳)۔

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمت اقدس میں آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں منافق ہوگیا ہوں، میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ ﷺ دوزخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں، لیکن بال بچوں میں آ کر سب بھول جاتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔(۴)۔

---

(۱)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۱۲۱ باب کلام الرب مع اهل الجنته۔

(۲)۔ بخاری صفحہ ۸۰۸ باب نفقه المعسر علی اهله۔ (۳)۔ ترمذی شریف باب ماجاء فی صفته الجنته و نعیمها۔ امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہیں۔ (٤)۔ ترمذی ابواب الزهد و صحیح مسلم کتاب التوبه۔

خطابت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خطابت اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے۔اسی بناء پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنا پڑی:

واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔

خداوند! میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

لیکن سید الانبیاء کو خود بارگاہ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا:

انا افصح العرب۔

میں فصیح ترین عرب ہوں۔

بعثت بجوامع الکلم۔

میں کلمات جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔قریش اور بنو ہوازن' قریش خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ تھا اور بنو ہوازن کے قبیلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرورش پائی تھی۔اس لیئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

انا اعربکم انامن قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر (۲)۔

میں تم میں فصیح تر ہوں' قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔(۳)

طرز بیان ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے۔

آپ ﷺ جب اپنے حجرے سے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ ﷺ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے' نہ آپ ﷺ خطباء کا لباس پہنتے تھے ہاتھ میں صرف ایک عصاء ہوتا تھا' اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔ (۴)۔ ابن ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپ ﷺ خطبہ دیتے تو دست مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ میں خطبہ دینے کے لیئے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے۔ جمعہ اور عیدین کا خطبہ تو متعین تھا لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی' آپ ﷺ فی البدیہہ خطبہ کے لیئے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے زمین پر منبر پر' اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا خطبہ دیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ ﷺ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا۔ تاہم آپ ﷺ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

---

(۱)۔ اضافہ تا ختم باب۔ (۲)۔ طبقات ابن سعد ج۔ (۳)۔ بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ (٤)۔ ابو داؤد ج کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعہ والخطبہ علی قوس۔

عام نصائح اور پندہ کی باتیں گو آپ ﷺ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر مؤثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے۔ غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیات نمایاں ہیں۔ جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی۔ غصہ بڑھ جاتا تھا انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں' گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کسی فوج کو جنگ کے لیئے ابھار رہے ہیں۔ (۱)۔ جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم (۲)۔ جاتا تھا۔ ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ (۳)۔ کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے' کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس قسم کی پر جوش حالت کی نہایت صحیح تصویر

ان الفاظ میں کھینچی ہے:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر يقول يأخذ الجبار سمواته وارضه بيده وقبض يده فجعل يقبضها ويبسطها قال ويتمائل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يمينه وعن شماله حتى نظرت الى المنبر يتحرك من اسفل شئى منه حتى ادنى لا قول اساقط هو برسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن ماجه ذكر المبعث)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے' آپ ﷺ کا جسم مبارک کبھی دائیں کبھی بائیں جھکتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔

آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت ::

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترکیب کے جمع کر دیئے گئے ہیں' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپ ﷺ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ ﷺ داعی مذہب تھے' فاتح تھے' واعظ تھے۔ امیر الجیش تھے' قاضی تھے' پیغمبر تھے۔ اس اختلاف حیثیت نے آپ ﷺ کے خطابت اور زور بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلاغت کا اقتضاء بھی یہی ہے۔ آپ ﷺ بحیثیت

داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ ﷺ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی۔ چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی وانذر عشیر تک الاقربین (اپنے اقرباء کو ڈراؤ) تو آپ ﷺ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا' ابولہب کی شقاوت نے اگر چہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا۔ تاہم آپ ﷺ کی زبان سے اس واقعہ پر جو چند جملے نکل گئے اس سے آپ ﷺ کے زور بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے صفاء پر چڑھ کر پہلے پکارا۔ ''یا صباحاہ۔'' یہ وہ لفظ ہے جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے۔ جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی پر دفعتاً غارت گری کے لیئے ٹوٹ پڑتا ہے تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱)۔ صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ و الخطبہ۔ (۲)۔ ابن ماجہ ذکر المبعث۔ (۳)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ صفحہ ٤٠٢۔

ارانتم ان اخبرتکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی۔

بتاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے۔

سب نے جواب دیا' اب تک آپ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا جب آپ ﷺ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا:

انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔

میں تمہیں ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا۔ کیا ہم سبھوں کو اس لیئے جمع کیا تھا یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔(۱)۔

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت مولفتہ القلوب کو دے دیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا خدا پیغمبر کی مغفرت کرے' قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی۔ لوگوں نے کہا چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے' لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں۔ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اب آپ ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا:

یا معشر الانصار الم اجد کم ضلالا فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔

اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی' تم متفرق تھے' خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا ہے' تم محتاج تھے' خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے۔ ''خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد ﷺ تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے' ہم نے تمہاری تصدیق کی' تمہارا کوئی مددگار نہ تھا۔ ہم نے تمہاری مدد کی' تم گھر سے نکالے ہوئے تھے۔ ہم نے تم کو گھر دیا' تم محتاج تھے۔ ہم نے تمہاری غم خواری کی۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل اعتراض کا جواب دیا۔

اترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم فواللہ لما تنقلبون بہ

خیر مما یقلبون۔

کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے جاؤ۔ خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔

اس پر تمام انصار پکار اٹھے۔ ''رضینا۔'' یعنی ہم سب راضی ہیں۔ (۲)۔ اس خطبہ کے وجوہ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ فاتحانہ حیثیت سے آپ ﷺ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا۔ حرم

(۱)۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۳ تفسیر سورہ تبت۔ (۲)۔ صحیح بخاری غزوئہ حنین۔

ایک دارالامان تھا۔ جس میں کبھی خونریزی نہیں ہو سکتی تھی۔ فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا اور چونکہ مذہب کے ہاتھ لگایا گیا تھا اس لیئے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیئے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بہ ترتیب ان ہی کی سب سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

ان اللہ حرم مکہت یوم خلق السموات والارض فھی حرام بحرام اللہ الی یوم القیامہت لم تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی ولم تحلل لی قط الا سساعہت من الدھر لا ینفر صیدھا ولا یعضد شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا تحل تقتطتھا الا

لمنشد۔

خدا نے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا پس وہ بحرمت خدا احرام ہے وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا اور میرے لیئے بھی بجز چند گھنٹوں کے ہرگز حلال نہیں ہوا نہ اس کے شکاروں کو بدکایا جا سکتا نہ اس کا کانٹا کاٹا جا سکتا نہ اس کی گھاس کاٹی جا سکتی نہ اس کی گمشدہ چیز حلال ہو سکتی ہے بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈ رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں دیا تھا۔ یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے جس کو قدرتاً خشک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیئے۔ تاہم سلامت روانی اور شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ اور خطبوں سے کم نہیں۔ آپ ﷺ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اسی طرح ظاہر کی۔

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا فی شہرکم ھذا فی بدلکم ھذا۔

لوگو! سنو کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے، لیکن اس تفصیل اور اس پرایئہ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زور دار بنا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان، مال سب مسلمانوں پر حرام ہے اس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے۔

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان

هذا یوم حرام افتدرون ای بلد هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شهر هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال شہر حرام۔

کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے' آپ ﷺ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہے کیا جانتے ہو یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپ ﷺ نے کہا بلد الحرام ہے' کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپ ﷺ نے فرمایا شہر حرام ہے۔

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اصل مقصود کو بیان کیا۔

ان الله حرم علیکم دماء کم واموالکم

خدا نے تمہارا خون' تمہارا مال' تمہاری آبرو تم پر اس

واعراضکم کحرمت یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔

مہینہ میں اس شہر میں' اس دن کی حرمت کی طرح حرام کیا ہے۔ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارے۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی:

ان ربکم واحد وان آباکم واحد کلکم من ادم وادم من تراب ان اکرمکم عندالله اتقاکم۔

تمہارا خدا ایک' تمہارا باپ ایک' تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے' خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عرب کا عام ذریعہ معاش غارت گری تھی' لیکن شہر حرام کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہیں رہ سکتے تھے اس لیئے ان مہینوں کو ادل بدل کیا کرتے تھے جس کو نسی کہتے تھے' قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی۔

النسی یادہت فی الکفر۔

نسئ کفر میں اضافہ کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھیئہت خلق اللہ السموات والارض۔

زمانہ ہر پھر کے پھر اس مرکز پر آ گیا جیسا کہ اس دن تھا جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔

ان حیثیتوں کے علاوہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی۔ آپ ﷺ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ اگرچہ نہایت سادہ ہیں' تاہم ان میں بھی مجموعی بلاغت کا اسلوب موجود ہے۔ ایک اخلاقی وعظ کے لیئے پیچ دار ترکیب' شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کو صرف سادہ الفاظ' واضح جملے اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہیں وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں۔ مدینہ آ کر سب سے پہلا فقرہ جو زبان مبارک سے نکلا یہ تھا:

یاایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلو والناس ینام تدخلوا الجنہت بسلام۔

لوگو! اسلام پھیلاؤ' کھانا کھلایا کرو' نماز پڑھا کرو۔ جب
لوگ سوتے ہیں' جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ
گے۔

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ ﷺ نے پڑھا ہے' ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد و ثناء کے بعد اس میں آپ نے یہ خطبہ دیا تھا:

اما بعد ایها الناس فقد من الانفسکم تعلمن والله
لیصعقن احد کم ثم لیدعن غنمه لیس لهاراع ثم
لیقولن له ربه لیس له ترجمان ولا حاجب یحجبه
دونه الم یاتك رسولی فباخك واتیتك مالا فضلت
علیك فما قدمت لنفسك فلینظر یعینا وشمالا فلا
یری شیئا ثم لینظرن قدامه فلا یری غیر جهنم

حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرلو' تم
کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی قسم تم میں سے ایک جب اپنے
ہوش و حواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال و دولت) کو چھوڑ
جاوے گا جن کا کوئی نگہبان نہ ہوگا' پھر خدا اس کیلئے بیچ میں نہ
کوئی ترجمان ہے نہ دربان ہے جو روکے گا اس سے کہے گا
کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہیں آیا اور میرا پیغام نہیں
پہنچایا اور میں نے تم کو دولت نہیں دی اور حاجت سے زیادہ
نہیں

فمن استطاع ان تیقی بوجهه من النار ولو بشق من
تمرهت فلیفعل ومن لم یجد فبکلمهت طیبهت
فانها تجزی الحسنهت بعشر امثالها الی سبع

سائہت ضعف والسلام علیکم ورحمہت اللہ وبرکاتہ۔

عطا کیا۔تو تو نے اپنے لیئے پہلے سے کیا سامان کیا اس وقت وہ بندہ دائیں بائیں دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی بس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ ہفت صد گنا دیا جائے گا' تم کو سلامتی اور اس کی رحمت و برکت نازل ہو۔ (صحیح مسلم بروایت صحیحہ)

اس کے بعد دوسری دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الحمدللہ احمدہ واستعینہ ونعوذ باللہ من شرورانفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ان احسن الحدیث کتاب اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ وادخلہ فی الاسلام بعد الکفر فاختارہ علی ما سواہ من احادیث الناس انہ احسن الحدیث وابلغہ احبوا ما احب اللہ احبوا اللہ من کل قلوبکم ولا تملوا کلام اللہ و ذکرہ ولا تقس عنہ قلوبکم فاعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا واتقوہ حق تقاتہ وصدقوا اللہ صالح ما تقولون

بافواهکم وتحابوا بروح الله بینکم ان الله یغضب ان ینکث عهده والسلام علیکم و رحمۃ الله وبرکاتہ۔

خدا کی حمد ہو میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے دامن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے اس کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہی تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں' بہترین کلام خدا کی کتاب ہے' کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پر اثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو اور تمہارے دل اس کی طرف سے سخت نہ ہوں' پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور اس سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے سچی بات کہو اور آپس میں ایک دوسرے کو ذات الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو' خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت نازل ہو۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں:

ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام یخفض القسط و یرفعہ الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار و عمل النہار قبل اللیل حجابہ النور (صحیح مسلم روایہت اللہ تعالی۔)

ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے' رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے' خدا کا پردہ نور ہے۔

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد و رقاق' حسن اخلاق' خوف قیامت' عذاب قبر' توحید و صفات الٰہی بیان کرتے تھے ہفتہ میں کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے' اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کی بجائے قرآن مجید کے انہی مضامین کی کوئی مؤثر سورت ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے۔ یہ سورہ آپ ﷺ جمعہ کے خطبہ میں اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے۔عید کے خطبہ میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے موقع پر دیا کرتے تھے' اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آفتاب میں گہن لگا۔ اتفاق سے اسی دن آپ کے کم سن فرزند حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی تھی۔ مزعومات عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لیئے لگا ہے آپ ﷺ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا:

اما بعد یایہا الناس انما الشمس و القمر ایتان من ایات اللہ و انہم الا ینکسفان لموت احد من الناس۔

حمد وثناء کے بعد' لوگوں! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیاں ہیں وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے۔

ما من شئی لم اکن رایته الا قد رایت من مقامی
هذا حتی الجنۃ والنار وانہ قد اوحی الی انکم
تفتنون فی القبور مثل فتنۃ الدجال فیوتی
احدکم فیقال ما علمك بهذا الرجل فاما الموقن
فیقول هو محمد هو رسول الله جاء البینات وهدی
فاجبنا واطعنا اما الم تاب فیقول لا ادری سمعت
الناس یقولون شیئا فقلت انہ عرض علی کل شئی
تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی لوتنا
ولت منها قطفا اخذته فقصریدی عنہ وعرضت
علی النار فوایت فیها امراۃ تعذب هرۃ لها
ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من حشاش
الارض و رایت ابا ثمامۃ عمرو بن مالك یجر
قصبہ فی النار وانهم کانوا یقولون ان الشمس
والقمر لا یخسفان الا لموت عظیم وانہ ایتا من ایات
الله یریکموها فاذا خسفا فصلوا حتی تنجلی۔ (۱)۔

جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو یہیں دیکھ لیا
یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی اور ہاں مجھے وحی کی گئی ہے
کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے' تم میں سے ہر ایک شخص
کے پاس ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا اس شخص (یعنی
خود آنحضرت ﷺ' کی نسبت کیا جانتے ہو یقین والے کہیں
گے کہ یہ محمد ﷺ ہیں' یہ خدا کے رسول ہیں' جو نشانیاں اور
ہدایتیں لے کر آئے تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی

کی اور متشکک کہیں گے میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سنا
کہہ دیا۔ میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں
تم داخل ہو گئے تا آنکہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل توڑ لیتا
لیکن میرے ہاتھ رک گئے' دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی
اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو صرف اسی لیئے سزا دی جا
رہی تھی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا' نہ اس کو خود کچھ
کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی
کوئی چیز کھائے میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرہ بن مالک
کو دیکھا تو یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب
میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا
کی وہ نشانیاں ہیں جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیئے کھڑے
ہو جاؤ تا کہ صاف ہو جائے۔

ردبدعت اوراعتصام بالسنتہ میں آپ کا یہ مختصر خطبہ بغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابوں
میں منقول ہے۔

انما هی اثنتان الكلام والهدی فاحسن الكلام كلام
الله فاحسن الهدی محمد الاوایاكم محدثات
الامور فان شر الامور محدثاتها وكل محدثهت
بدعهت وكل بدعهت ضلالهت الا لا يطولن
عليكم الامد فيقسوا قلوبكم الا ان ماهوات قريب
وان البعيد ما ليس بات الا انما الشقی من شقی فی
بطن امه والسعيد من وعظ بغيره الا ان قتال المئومن
كفر و سبابه فسوق ولا لحل لمسلم ان يهجرا خاه

فوق ثلاث الا وایاکم والکذب (ابن ماجہ' باب اجتناب البدع)

صرف دو باتیں ہیں قول اور عملی طریقہ' تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد کا طریقہ ہے' خبردار (مذہب میں) نئی باتوں سے بچو' نئی باتیں بدترین چیزیں ہیں۔ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تم کو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں اور جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے' دور وہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے بعید ہے بدبخت اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہوتا ہے' خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے' خبردار! مسلمان سے لڑنا کفر اور اس سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے۔ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے۔ ہاں خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔

اثر انگیزی ::

خطبات نبویؐ تاثیر اور رقت انگیزی میں درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے۔ پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے۔ مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورۂ والنجم کی آیتیں تلاوت کر کے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ (۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے۔ یہ سن کر کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کو جنون ہے۔ بغرض علاج آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے مختصر سی تقریر کی۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ ذرا اس کو پھر تو دہرانا۔ غرض آپ ﷺ نے کئی دفعہ تقریر دہرائی تو انہوں نے کہا میں نے شاعر کے

قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے، لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے۔(۳)۔

ایک دفعہ ایک نو مسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ آپ ﷺ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی ﷺ میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں۔ یعنی:

(۱)۔ صحیح مسلم بروایات مختلفہ۔ (۲)۔ صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ وقصر الخطبہ۔ (۳)۔ ایضًا

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ۔

اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔

پھر سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی:

ولتنظر نفس ماقدمت لغد۔

اس کے بعد فرمایا: درہم کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا جو ہو، راہ خدا میں دو، مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی تھی، وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے، لیکن بایں ہمہ آپ کی رقت انگیز اور مؤثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا۔ اس نے سامنے رکھ دیا، بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیئے۔ کسی نے گھر کا غلہ لا کر دے دیا۔ ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا۔(۱)۔

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات میں آپ ﷺ کے فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوش محبت کا دریا بہا دیتے تھے۔ اوس وخزرج کی سالہا سال کی عداوتیں اس اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبت ہو گئیں۔ غزوہ بدر سے پہلے ایک دفعہ سوار ہو کر نکلے اور

منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے‘ مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا‘ لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا۔ یہ چنگاری تھی جس نے خرمن میں آگ لگا دی‘ قریب تھا کہ جنگ وجدل برپا ہوجائے‘ لیکن آپ کے چند فقروں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ (۲)۔ غزوۂ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت جلد ممکن تھا کہ مہاجرین وانصار باہم دست وگریباں ہوجائیں کہ عین وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین (۳)۔ وانصار پھر شیر وشکر تھے‘ واقعہ افک میں اوس وخزرج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی ﷺ میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں۔ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے سلسلہ تقریر جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہریں پھر جاری ہوگئیں۔ (۴)۔

غزوۂ حنین میں جب مال غنیمت کی تقسیم پر انصار میں آزردگی پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر سا ذکر اوپر گزر چکا ہے‘ اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے ان قطروں سے دفعتاً دھل گیا۔ (۵)۔ فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ ﷺ نے روسائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں خلق نبوی ﷺ کا جلوہ نہ تھا۔ معترض ہوئے کہ آخر آپ ﷺ کو اپنے وطن وخاندان سے محبت آ ہی گئی۔ آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے کہ عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا وطن وخاندان کی پاسداری میرے پیش نظر نہ تھی۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔ میں نے اللہ کی طرف ہجرت کی اور تمہاری طرف‘ اب میرا

جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے۔ یہ سن کر انصار پر رقت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔ وعظ و نصیحت میں جو خطبات آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

---

(۱)۔ صحیح مسلم باب الصدقات۔ (۲)۔ صحیح بخاری السلام علی جماعته فیها المسلم و الکافر۔ (۳)۔ صحیح بخاری تفسیر منافقین و ابن سعد غزوه مذکور۔ (٤)۔ صحیح بخاری قصه افك۔ (٥)۔ صحیح مسلم فتح مکه۔

وعظنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما بعد الصلوة الغداة موعظة بلیغة ذرفت منها العیون و جلت منها القلوب (ترمذی و ابو داود)

صبح کی نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ایسا موثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھے۔

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں:

قام رسول الله صلی الله علیه وسلم خطیبا تذکر فتنه القبر التی یفتن بها المرء فلما تذکر ذلك ضبح المسلمون (۱)۔ ضجة۔

آنخضرت ﷺ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے والذی نفسی بیده قسم ہے اس ذات کی جس کے

دست قدرت میں میری جان ہے۔ یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ ﷺ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ (۲)۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ اثنائے تقریر میں آپ ﷺ نے فرمایا "اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔" اس فقرہ کا ادا ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے (۳)۔ لگے۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری ماجاء فی عذاب القبر۔ (۲)۔ سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ۔ (۳)۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ مائدہ۔

All rights reserved ©2002-2006

ہو؟ آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔(۳)۔

چاشت کی نماز آپ ﷺ سب کے سامنے حرم میں ادا کرتے تھے' کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب (۴)۔ میں بھی جائز تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر اڑا رہے تھے' ابو جہل نے کہا۔ کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی او جھ نجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام (۵)۔ دیا۔ نماز میں جب آپ ﷺ جہر سے قرات فرماتے تو کفار برا بھلا کہتے۔ (۶)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے۔ بعض اشقیاء نے چاہا کہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں (۷)۔ ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانسی ڈال دی۔(۸)۔ لیکن بایں ہمہ مزاحمت لذت شناس یاد الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

---

(۱)۔ اضافہ تا ختم باب۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۳)۔ مسند احمد ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۹۵ (۴)۔ ابن اثیر۔ (۵)۔ صحیح بخاری باب الطہارہ و الصلوۃ۔ (۶)۔ صحیح بخاری تفسیر سورئہ بنی اسرائیل۔ (۷)۔ ابن ہشام ذکر قبل ہجرت۔ (۸)۔ صحیح بخاری باب القی النبی بمکہ۔

راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اس عبادت شبانہ کے مختلف صحابہ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات بھر نماز میں کھڑے رہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے' پھر سو جاتے' پھر اٹھ بیٹھتے تھے اور نماز ادا کرتے۔ غرض صبح تک یہی حالت قائم رہتی۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ ﷺ اٹھتے تھے اور تیرہ رکعتیں ادا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ۹ رکعت کی ہے۔ محدثین نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ان طریقوں میں سے ہر طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے۔ ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔(۱)۔ عام طور پر آخر

میں آپ ﷺ کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عائشہ اور ابن عباسؓ کی زبانی عبارت شبانہ کے عنوان سے گزر چکا ہے۔

فرائض پنج گانہ کے علاوہ آپ ﷺ کم از کم سنن ونوافل کی ۳۹ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے۔ دو صبح' چار چاشت چھ ظہر' چھ عصر' چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہؓ) دو مغرب' چھ عشاء' تیرہ عشاء و وتر۔ انکے علاوہ صلوٰۃ الاوبین' سنت تحیت' مسجد وغیرہ الگ تھیں۔ تمام سنن میں سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتوں کے آپ ﷺ سختی سے پابند (۲)۔ تھے' کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگرچہ چھوٹ جاتی 'تو اس کی قضا پڑھتے۔ حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کیلئے نہیں۔ ایسا واقعہ حضر میں ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے۔ ظہر وعصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ ظہر کی دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ نماز عصر کے بعد آپ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے حجروں میں جاکر دو رکعت نماز ادا کی' چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی' اس لیئے ازواج مطہرات نے استفسار کیا۔ آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا۔ عام امت کے لیئے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن آپ ﷺ جس چیز کو شروع کرتے تھے' پھر اس کو ترک کرنا مناسب نہیں فرماتے تھے اس لیئے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے اس قضاء کو تمام عمر ادا کیا۔ (۳)۔

رمضان کا مہینہ آپ ﷺ کی عبادتوں کے لیئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ فیاض تو تھے ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبرئیل قرآن سنانے آتے تو آپ ﷺ کی فیاضی کی کوئی حد نہیں رہتی آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل (۴)۔ جاتی۔ رمضان کے اخری عشرہ میں آپ ﷺ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ ﷺ رات رات بھر بیدار رہتے تھے۔ ازواج سے بے

تعلق ہو جاتے تھے۔اہل بیت کو نماز کے لیئے (۵)۔ جگاتے تھے۔اس اخیر عشرہ میں آپ ﷺ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔یعنی ہمہ وقت مسجد میں بیٹھ کر یاد الٰہی اور عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔(۶)۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے۔ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد (۷)۔تھا۔روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی۔اسی تعداد کے موافق آپ ﷺ تلاوت کرلیا

---

(۱)۔اس بحث کر زرقانی نے شرح مواهب میں به تفصیل لکھا هے۔ (۲)۔صحیح بخاری ابواب نوافل و سنن۔ (۳)۔مسند احمد و ابوداؤد و صحیح مسلم الرکعتان بعد العصر۔ (۴)۔صحیح بخاری کتاب الصوم۔ (۵)۔ابوداؤد باب الصوم۔ (۶)۔صحیح بخاری باب الاعتکاف۔ (۷)۔ابوداؤد اشهر رمضان۔

کرتے تھے۔رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے (۱)۔تھے۔پچھلی رات کو اٹھ کر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پچھلے پہر بیدار ہوئے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے' رات کے سناٹے میں تارے جھلملا رہے تھے آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں (۲)۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنهار لایات لاولی الالباب @ الذین یذکرون الله قیاما و قعودا وعلی جنوبهم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا ط سبحانك فمنا عذاب النار ربنا انك من تدخل النار فقد اخزیته ومن للظلمین من انصار @ ربنا انما سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ط ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفرعنا سیاتنا وتوفنا مع

الابرار@ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك ولا تخزنا
یوم القیامۃ انك لا تخلف المیعاد فاستجاب لھم
ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی
بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من
دیارھم و اوذوا فی سبیلی وقتلوا قتلوا لا کفرن
عنھم سیاتھم ولا دخلنھم جنت تجری من تحتھا
الانھار ثوابا من عندالله والله عندہ حسن الثواب۔
(آل عمران: ۲۰)

آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان دانشمندوں کیلئے نشانیاں ہیں' جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین پر غور کرتے ہیں کہ خدایا تو نے (یہ نظام عالم) بے نتیجہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے' پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' خدایا جس کو تو دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے سوار کر دیا گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں' خداوند ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے' خداوند تو ہمارے گناہ بخش دے' ہماری برائیوں پر پردہ ڈال اور نیکیوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا۔ خداوند تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا

عورت تم ایک دوسرے سے ہو جنہوں نے ہجرت کی یا اپنے
گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں
اور وہ لڑنے میں اور مارے گئے ہیں ان سب کے گناہوں کو
مٹا دوں گا' اور ان کو جنت میں جگہ دونگا جن کے نیچے نہریں
بہتی ہوں گی اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزاء ملے گی اور اللہ ہی
کے پاس اچھی چیز ہے۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری بدء الوحی۔ (۲)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم صلوٰۃ اللیل۔

اسی موقع پر آپ ﷺ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتاپا روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اللھم لک الحمد انت نور السموات والارض ولک
الحمد وانت قیام السموات والارض ولک الحمد
انت رب السموات والارض ومن فیھن انت الحق
ورلک الحق وقولک الحق و لقاء ل الحق والجنہت
حق والنار حق والساعہت حق اللھم لک
اسلمت وبک امنت وعلیک توکلت والیک انبت
وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت
واخرت واسررت واعلنت انت الھنی لا الہ الا
انت۔

خداوند تیری حمد ہو تو آسمان و زمین کا نور ہے' تیری حمد ہو تو
آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے' تو
حق ہے تیرا وعدہ حق ہے تیری بات حق ہے' تجھ سے ملنا حق
ہے جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے قیامت حق ہے۔ خداوند

میں نے تیرے ہی آستانہ پر سر جھکایا ہے۔ تجھی پر ایمان لایا
ہوں، تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، تیرے ہی زور پر جھگڑتا
ہوں، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور
چھپا ہر ایک گناہ معاف کر، تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی
اور معبود نہیں (صحیح مسلم باب الدعا فی صلوۃ اللیل)

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے، آپ ﷺ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ ﷺ کو بستر نہ پایا، سمجھی کہ آپ ﷺ کسی اور بیوی کے حجرے میں تشریف لے گئے ہیں۔ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے اور آپ ﷺ سربسجود دعا میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں مجھ کو اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں اور آپ ﷺ کس عالم میں (۱)۔ کبھی کبھی راتوں کو اٹھ کر آپ ﷺ تن تنہا قبرستان میں تشریف لے جاتے اور دعا و زاری کرتے تھے ایک دفعہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ گئیں، تو دیکھا کہ آپ ﷺ جنت البقیع میں داخل ہوئے اور دعا مانگی۔ (۲)۔

دعا اور نماز کے بعد آپ سو جاتے، یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعتاً سپیدہ صبح نمودار ہوتا۔ آپ ﷺ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے:

اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی لسانی نورا واجعل
فی سمعی نورا واجعل فی بصری نورا واجعل فی
خلقی نورا ومن امامی نورا واجعل من فوقی نورا
وتحتی نورا واعطنی نورا (صحیح مسلم باب

الدعاء فی صلوٰۃ اللیل

خدایا میرے دل میں نور پیدا کر اور میری زبان میں اور میری
قوت سامعہ میں نور پیدا کر' آنکھوں میں نور پیدا کر اور
میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر' میرے اوپر اور
میرے نیچے نور پیدا کر اور مجھے نور عطاء کر۔

ارکان نماز میں سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے' لیکن حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ سجدہ میں جانا بھول گئے (۳)۔ جو چیز کی نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے' نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ یہ لے کر فلاں شخص (ابوجہیم) کو دے اور ان سے انبجانی مانگ لاؤ۔ حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔ (۴)۔

(۱)۔ سنن نسائی باب الغیرہ۔ (۲)۔ ایضًا باب الاستغفار للمومنین۔
(۳)۔ مسند ابن حنبل ج ۳ ۱۷۲ (٤)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ٥٤ کتاب الصلوٰۃ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے۔

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا۔ نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کو ہٹا دو۔ اس کے نقش و نگار حضورؐ قلب میں خلل انداز ہوئے۔ (۱)۔

روزہ ::

انبیاء اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لیئے تقلیل غذا بلکہ ترک غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے۔ ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیان مذہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعی اسلام ﷺ کا طرز عمل اس باب میں افراط و تفریط کے بیچ میں تھا۔ اسلام سے پہلے اہل

عرب عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔آنحضرت ﷺ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے۔بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ متواتر کئی کئی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے‘ لیکن مدینے آکر اس معمول میں فرق آگیا۔مدینہ میں یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے‘ آپ ﷺ نے بھی رکھا‘ بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی‘ لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھا صرف ایک شعبان مستثنٰی ہے اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ ﷺ روزہ سے رہتے۔اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرے تھے‘ سال کے بقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں توڑیں گے۔پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا۔کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ ﷺ اکثر روزوں سے رہتے تھے‘ مہینہ میں تین دن دو دوشنبہ اور ایک جمعرات کو معمولاً روزے رکھا کرتے تھے‘ بعض حدیثوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات سے تھا ان کے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورہ تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن‘ دوسری سے ساتویں تک آپ ﷺ روزوں میں گزارتے تھے۔ (۲)۔

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے‘ آپ ﷺ کبھی گھر میں تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا کچھ نہیں۔آپ ﷺ فرماتے تو میں آج روزے سے ہوں۔(۳)۔ کبھی کبھی آپ ﷺ صوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے‘ بیچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے لیکن جب صحابہؓ نے اس میں آپ ﷺ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے

منع فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ ﷺ حکماً نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں اس لیئے اس ممانعت کے باوجود آپ ﷺ کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کیئے آپ ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا' تیسرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک انتظار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلو کرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر حضورؐ کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا۔ تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوۃ۔ (۲)۔ روزہ کے متعلق یہ حدیثیں تمام کتب حدیث میں ہیں۔ اس وقت ابودائود اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہیں۔ (۳)۔ ابودائود باب النیتہ فی الصام۔

کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں۔ تم میں مجھ جیسا کون ہے' میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (۱)۔

عام مسلمانوں کے لیئے آپ ﷺ اس قسم کی مذہبی سختیوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے۔ تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔

زکوٰہ ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مبرات کیا کرتے تھے جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہؓ نے شہادت دی ہے۔ (۲)۔

اسلام کے بعد آپ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے' لیکن بایں ہمہ زکوۃ کا ادا کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔ اس سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیا علیہم السلام

پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی' لیکن اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے دو مفہوم ہیں' ایک مطلق صدقہ وخیرات اور اس باب میں جو آپ ﷺ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار وتعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو' ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے یہ مصطلحہ زکوٰۃ کبھی آپ ﷺ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانہ نبوت میں کوئی قابل زکوٰۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی' آپ ﷺ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانہ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلالؓ نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ یارسول اللہ! خدا نے آپ ﷺ کو سبکدوش کیا۔ (۳)۔

حج ::

اسلام سے پہلے آپ ﷺ نے جس قدر حج کیئے ان کی تعداد صحیح متعین نہیں کی جا سکتی۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش عموماً ہر سال حج کیا کرتے تھے اس لیئے قرینہ غالب یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ ترمذی (۴)۔ میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آپ ﷺ نے دو حج کیئے تھے اور ابن ماجہ اور حاکم میں ہے کہ تین حج کیئے تھے' لیکن یہ سب روایتیں مرسل (۵)۔ ہیں ۔مدینہ کے زمانۂ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۰ھ میں کیا۔ یہ وہی حجۃ الوداع ہے جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے گزر چکا ہے۔

حج کے علاوہ آپ ﷺ نے عمرے بھی ادا کیئے ہیں' ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں' ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ ہیں۔ ایک حدیبیہ کے سال' ایک غزوۂ حنین کے بعد اور چوتھا حجۃ الوداع (۶)۔ کے ساتھ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع والے عمرے کے سوا تمام عمرے آپ ﷺ ذیقعدہ کے مہینہ میں ادا کیئے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے

عمرے کیئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔ "چار عمرے۔" ان میں سے ایک ماہ رجب میں حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو کہا خدا ابوعبدالرحمٰن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے۔ آپ ﷺ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔

---

(۱)۔ صوم وصال کی یہ حدیثیں صحیح مسلم لی لی گئی ھیں۔ (۲)۔ صحیح بخاری بدء الوحی۔ (۱)۔ ایضاً۔ (۳)۔ ابوداؤد باب قبول هدایا المشرکین۔ (٤)۔ باب کم حج النبی ﷺ۔ (٥)۔ زرقانی ج ٨ ١٢٤ (٦)۔ صحیح مسلم ابوداؤد و حجته الوداع و ترمذی باب کم جمع النبی ﷺ۔

سال حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے لیئے روانہ ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی' صحابہ ان کی مدافعت میں آپ ﷺ سے بچھڑ گئے' لیکن آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہمراہیوں کا انتظار کیئے بغیر بے خطر آپ ﷺ سب سے آگے بڑھے چلے جارہے تھے۔ آخر جان نثاروں نے ابوقتادہ انصاریؓ کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ "آپ تو ذرا توقف فرمائیں' ہمیں یہ ڈر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان حائل نہ ہوئیں۔" آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ (۱)۔

دوام ذکر الٰہی ::

قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے:

الذین یذکرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبهم

جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے یاد کرتے ہیں۔

لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله (نور ۵)

جن کو اشغال دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔ (۲)۔ ربیعہ بن کعب اسلمی رات کو آپ ﷺ کے آستانہ پر پہرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا تھا اور مجھے نیند آجاتی تھی۔ (۳)۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' وضو کرتے' نئے کپڑے پہنتے سوار ہوتے' سفر میں جاتے' واپس آتے' گھر میں داخل ہوتے' مسجد میں قدم رکھتے۔ غرض ہر حالت میں دل و جان ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ اسی بنا پر احادیث میں مختلف اوقات و حالات کے لیئے کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہیں۔ اخیر زندگی میں جب سورۂ اذا جاء اتری جس میں تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مبارک پر تسبیح وتہلیل جاری رہتی تھی۔ (۴)۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اکثر یہ دعا۔ رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے' ہم نے گنا تو ایک ایک نشست میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔ (۵)۔ سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپ ﷺ یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے' سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے اور اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہیں۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا۔ آپ ادھر ہی منہ کیئے نماز کی نیت کر لیتے کہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ جدھر رخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔

---

(۱)۔ جامع ترمذی باب مذکور' بخاری و مسلم کتاب الحج۔
(۱)۔ صحیح بخاری ۲۴۵ باب جزء الصید۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ۴ ۵۹ (۳)۔ ابن سعد جز الوفاہ۔ (۴)۔ ترمذی و ابن ماجہ و دارمی باب دعوات۔ (۵)۔ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ۔

ذوق وشوق ::

آپ ﷺ اصحابؓ کی محفل میں یا امہات المومنینؓ کے حجروں میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دفعتاً اذان کی آواز آتی۔ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے۔(۱)۔ رات کا ایک معتد بہ حصہ گو شب بیداری میں گزرتا تھا' تاہم صبح کے وقت ادھر موذن نے اللہ اکبر کہا۔ ادھر آپ ﷺ بستر سے اٹھ (۲)۔ بیٹھے۔ شب کے وقت جس ذوق شوق اور وجد کی حالت میں نماز پڑھتے' اس کا نقشہ حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے' کبھی پوری پوری رات آنحضرت ﷺ کھڑے رہتے' سورۂ بقرہ' سورہ آل عمران' سورہ نساء۔ (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے۔ جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی' خدا سے دعا مانگتے اور پناہ طلب کرتے' کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا مانگتے (۳)۔ قرات اتنی زور سے فرماتے کہ دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ ﷺ کی آواز سنتے۔ (۴)۔ کبھی کبھی کوئی آیت آ جاتی کہ آپ ﷺ اس کے ذوق وشوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:

ان تعذبهم فانهم عبادك ط وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم۔

اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ ﷺ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔(۵)۔

زید بن خالد جہنی ایک صحابی ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب میں آپ ﷺ نماز پڑھتے دیکھوں گا (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے پہلے دو رکعتیں معمولی ادا کیں' پھر

دو رکعتیں بہت ہی لمبی اور بہت دیر تک پڑھیں۔ پھر دو دو رکعتیں کرکے آٹھ رکعتیں بتدریج چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کی۔(۶)۔ جنابؓ کی روایت ہے کہ ایک شب آپ ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے۔(۷)۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا کہ آپ ﷺ سو آیتوں تک پڑھیں گے' لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے' میں نے دل میں کہا شاید پوری سورہ آپ ﷺ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے اس سورۂ کو ختم کیا تو میں خیال کیا کہ آپ ﷺ رکوع کریں گے لیکن آپ ﷺ فوراً ہی سورۂ آل عمران شروع کردی' یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ نساء شروع کی۔ (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں۔) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ ﷺ قرات کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے رکوع کیا۔ رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا' پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر تاخیر فرمائی۔(۸)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمته اهاص ۸۰۸ (۲)۔ صحیح بخاری من انتظر الاقامته۔ (۳)۔ مسند ابن حنبل ج ۶ ۹۶ (۴)۔ ابن ماجه ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔ (۵)۔ ایضاً۔ (۶)۔ صحیح و مسلم و ابوداؤد۔ (۷)۔ نسائی احیاء اللیل۔ (۸)۔ صحیح مسلم و نسائی صلوٰۃ اللیل۔

میدان جنگ میں یاد الٰہی ::

عین اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسر پیکار ہوتیں۔ تیر و سنان اور تیغ و

خنجر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی ہوتیں اور ہر طرف سے شور اور دار و گیر برپا ہوتا آپ ﷺ نہایت خضوع و خشوع و اطمینان قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے' سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر بل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی۔ بدر' احد' خندق' خیبر تبوک' تمام بڑے بڑے معرکوں میں آپ ﷺ کی یہی کیفیت تھی۔

معرکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائد اعظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپ ﷺ نے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصلی اعتماد اور بھروسہ اسباب کائنات سے ماوراء قادر مطلق کی ذات پر تھا۔ بدر میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے (۱)"۔ بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہ ایزدی عرض کر رہے ہیں۔ خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر' محویت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھے سے گر پڑتی ہے اور آپ کو خبر تک نہیں ہوتی' کبھی سجدے میں گر پڑے اور عرض کرتے ہیں کہ "خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔ (۲)"۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ تین دفعہ میدان جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدس پیشانی خاک (۳)۔ پر ہے۔

غزوۂ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان مسرت سے ہبل کی جے پکارتا ہے لیکن آپ ﷺ اس دل شکستگی کے عالم میں بھی حضرت عمرؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو۔

اللہ مولانا لا مولی لکم اللہ اعلی واجل۔

خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں' خدا بڑا اور بلند ہے۔

غزوۂ احزاب میں آپ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھودنے میں مصروف تھے اور لب پر یہ الفاظ جاری تھے:

اللھم لا خیر الاخیر الاخرۃ فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

خدایا بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ ۲۰ یا ۲۲ دن تک قائم رہا' لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیئے بھی مہلت نہ مل سکی' آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا' آپ ﷺ کو سخت رنج ہوا' حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی۔ (۴)۔

غزوۂ خیبر میں جب آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچے تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے:

(۱)۔ مسلم باب الوفاء بالعھد۔ (۲)۔ صحیح مسلم بخاری' بدر۔
(۳)۔ سیرت ج ۱ صفحہ ۴۵۰۔ (۴)۔ صحیح بخاری احد۔

اللہ اکبر خیبر ویران ہو چکا' عمارتیں نظر آئیں تو صحابہ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر یہ دعا مانگی:

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر مافیھا ونعوذبک من شرھا و شر اھلا و شرما فیھا (ابن ہشام)

اے خدا ہم تجھ سے اس آبادی کی' اس آبادی والوں کی' اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔

حنین کے معرکہ میں بارہ ہزار فوج آپ ﷺ کے ساتھ تھی، لیکن اول ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس فوج کا سپہ سالار اگر ان ہی آدمیوں کے بھروسہ پر میدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا لیکن آپ ﷺ کو جس قوت پر اعتماد تھا۔ آپ ﷺ اس کو تنہائی میں بھی اسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جس طرح فوج ولشکر کے ساتھ عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں چند جاں نثاروں کے سوا کوئی اور باقی نہیں رہا تھا۔ آپ ﷺ سواری سے اتر آئے اور فرمایا ''میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں۔'' پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی۔ دفعتاً ہوا کا رخ پلٹ گیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی۔ (۱)۔ دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس مرقع کا سب سے مؤثر منظر غزوۂ بنی مصطلق میں نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاو ڈالے پڑے ہیں اور غفلت کے منتظر ہیں کہ دفعتاً نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ ﷺ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامنا روک لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے پاس غسفان میں خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیئے ہوئے موقع کی تاک میں تھے آخر قریش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیئے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے خبری میں حملہ کیا جائے۔ خداوند کارساز کی بارگاہ میں قصر صلوٰۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہو گئی۔ چنانچہ قصر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ عصر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیئے

آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ صحابہ دو حصوں میں منقسم ہوئے۔ ایک حصہ نے آپ ﷺ کے پیچھے آ کر نماز کی صفیں قائم کرلیں اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ پہلی جماعت فارغ ہوکر بتدریج دشمنوں کے مقابل آ گئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں جا ملی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پردہ عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔ (۲)۔

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی۔

یایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئہ فاثبتوا واذکرو اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (انفال)

مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ' تم کامیاب ہوگے۔

(۱)۔ صحیح بخاری و مسلم حنین۔ (۲)۔ ابوداؤد ج اول باب صلوٰۃ المسافرین۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے (۱)۔

خشیتہ الٰہی ::

آپ ﷺ خاتم الانبیاء تھے' افضل رسل تھے' محبوب خاص تھے' تاہم خشیتہ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کو میرے اوپر کیا گزرے گی؟ حضرت عثمان ؓ بن مظعون نے جب وفات پائی تو آپ تعزیت کو گئے' لاش دھری تھی' ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھ کو نوازا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم کو کیونکر معلوم ہوا؟'' بولیں خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے' لیکن

میں پیغمبر ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔(۲)۔

جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ سہم جاتے' کسی ضروری کام میں ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ (۳)۔ ہو جاتے اور فرماتے خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں' جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا عائشہؓ تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے۔ جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے' حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا۔(۴)۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یا رسول ﷺ اللہ! آپ ﷺ کے بال پکنے لگے۔ فرمایا مجھے سورہ ہود' واقعہ' والمرسلات اور عم یتسالون نے بوڑھا کر دیا۔(۵)۔ ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں' ابیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ جب دو ثلث شب گزر چکتی' بآواز یہ الفاظ فرماتے۔ لوگو! خدا کو یاد کرو۔ زلزلہ آ رہا ہے' اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی' موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنی۔(۶)۔

فرمایا کرتے تھے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو تم کو ہنسی کم اور رونا زیادہ (۷)۔ آتا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت مؤثر طرز سے خطبہ میں فرمایا۔ اے معشر قریش! اپنی آپ ﷺ خبر لو' میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا اے بنی عبد المناف! میں تم کو بھی خدا سے بھی نہیں بچا سکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے صفیہؓ رسول خدا کی پھوپھی! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! میں تجھ کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔ (صحیحین)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی میں اتنا ہجوم ہوا کہ آپ ﷺ پسینے کے قریب

ہو گئے ۔مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا' آپ ﷺ نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بد دعا زبان سے نکل گئی فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی خدایا! میں ایک انسان ہوں۔اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا۔(۸)۔گریہ وبکا (خشیت الٰہی) کی وجہ سے اکثر آپ ﷺ پر رقت طاری

---

(۱)۔ باب التکبیر عندالحرب۔ (۲)۔ صحیح بخاری الجنائز۔ (۳)۔ سنن ابن ماجه باب یدعوابه الرجل اذاری السحاب۔ (٤)۔ یه واقعه بخاری و مسلم اور دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ھے۔ اخیرہ فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمه ھے۔ (۵)۔ شمائل ترمذی ماجاء فی شبیه ﷺ۔ (٦)۔ مشکواہ بحواله ترمذی باب البکاء والخرف۔ (۷)۔ صحیحین۔

ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے ۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھیدا تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری (۱)۔ ہو گئے اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے ۔ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف میں آپ ﷺ ٹھنڈی سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔(۲)۔

عبداللہ بن شخیر ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں مشغول ہیں۔آنکھوں سے آنسو جاری ہیں' روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی ابل رہی ہے۔(۳)۔

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے' قبر کھودی جارہی تھی' آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے ۔یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہوگئی پھر فرمایا بھائیو! اس دن کیلئے سامان کر رکھو۔(۴)۔

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے' راہ میں ایک پڑاؤ ملا۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں۔ ایک عورت بیٹھی چولہا سلگا رہی تھی' پاس ہی اس کا لڑکا تھا' آگ خوب روشن ہو گئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ کی خدمت میں آئی اور بولی۔ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا۔ ہاں بے شک' پھر اس نے پوچھا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے خدا اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے' آپ ﷺ نے فرمایا' ہاں بے شک! اس نے کہا تو ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی۔ آپ پر گریہ طاری ہو گیا' پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے' خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔ (۵)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کی دعا۔

رب انھن اضللن کثیرا من الناس فمن تبعنی فانہ منی۔

پروردگار ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہ میری جماعت میں ہے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ والی دعا پڑھی:

ان تعذبھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم۔

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو غالب و دانا ہے۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر اللھم امتی امتی فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو جاری (۶)۔ تھے۔

---

(۱)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ ص ۱' ۲۳' دونوں صفحوں میں دو روایتیں ہیں' مگر غالبًا ایک ہی واقعہ ہے۔ (۲)۔ صحیح بخاری تفسیر آیت

مذکور۔ (۳)۔ ابوداؤد صلوۃ الکسوف۔ (٤)۔ ترمذی و ابوداؤد باب البکاء فی صلوۃ اللیل و سنن ابن ماجہ الحزن والبکاء۔ (٥)۔ سنن ابن ماجہ باب یرجی من رحمتہ اللہ۔ (٦)۔ صحیح مسلم باب بکائہ ﷺ الامتہ۔

محبت الٰہی ::

دنیا میں دو قسم کے پیغمبر آئے ہیں' ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا اور اس لیئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے' مثلاً حضرت نوحؑ و حضرت موسیٰؑ دوسرے وہ جو محبت الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانہ عشق کی طرف بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت یحیٰی و عیسٰی علیہما السلام' لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت' اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے' جیسا کہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرت مسیح میں ہر شخص کو نظر آسکتا ہے' لیکن اسلام دونوں جلووں کو یکساں نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حامل شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک میں یہ دونوں پہلو بیک دفعہ نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید نے کمال ایمان کا یہ وصف بیان کیا ہے۔

والذین امنوا اشد حبا للہ۔

جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا سے پیار ہے۔

صحیح روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی دیر تک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول ﷺ اللہ! آپ ﷺ کی مغفرت تو خدا کرچکا ہے' آپ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ارشاد ہوا کہ کیا میں عبد شکور نہ بنوں۔ ارباب باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی عبادتیں خشیتہ الٰہی سے ہیں اور چونکہ آپ ﷺ گناہوں سے پاک کردیئے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی' آپ ﷺ نے اپنے

۔(۱)

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے' ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرند کو مع اس کے بچوں کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول ﷺ اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں لپیٹ لیا۔ اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو فوراً بچوں پر گر پڑی۔ ارشاد ہوا کہ کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ۔(۲)

آپ ﷺ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ وفات سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا: میں خدا کے سامنے اس بات سے برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا دوست ہو' کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا۔ جس طرح ابراہیمؑ کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو (۳)۔ بناتا۔

وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بار ادا ہو رہا تھا یہ تھا:

اللھم الرفیق الا علی۔

خدایا صرف رفیق اعلیٰ مطلوب ہے۔

یہ الفاظ سن کر حضرت عائشہؓ نے کہا: ''اب آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔ ''۔(۴)

اس ''رفاقت علوی'' کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں۔

''انبیاء علیہم السلام چونکہ از مقام دعوت فارغ میگردند متوجہ عالم بقا می شوند و مصلحت (جوع الی الخلق) تمام می شود بشوق تمام ندائے الرفیق الاعلیٰ بر آوردہ بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ میگردند در مراتب قرب سیری نمایند (۵)۔''

توکل علی اللہ ::

توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات عالم کے فیصلہ کو خدا کے سپرد کردے۔ اسباب وعلل کے پردے اس کے سامنے اٹھ جائیں اور وہ براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں نظر آئے۔ بظاہر اسباب وعلل گونا موافق ہوں' مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر مؤثر نہیں ہوسکتے' بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراء ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کا استقلال عزم جرات وبے باکی یہ تمام باتیں اس ہی ایک اصل کو پرتو ہیں۔ اس کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی' پرخطر سے پرخطر راستوں میں بھی جبن اور ضعف ہمت اس کے قلب میں راہ نہیں پاتا۔ شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ' تم کو صاف نظر آئے گا کہ

---

(۱)۔ سنن ابن ماجہ ما یرجی الرحمتہ۔ (۲)۔ مشکوٰہ بحوالہ ابوداؤد باب رحمتہ اللہ۔ (۳)۔ صحیح مسلم ص ۲۰۱ باب النہی عن بنا المساجد علی القبور۔ (۴)۔ صحیح بخاری باب الوفات۔ (۵)۔ مکتوبات امام ربانی' مجدد الف ثانی مکتوب ۲۷۲ جلد اول۔

آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی ضعف نہ ہوگی جو آپ ﷺ کی راہ میں حائل نہیں ہوئی ہو' لیکن آپ ﷺ کا دل کبھی اضطراب وانتشار مایوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہ ہوا نہ مکہ کی تنہاییوں میں مصائب کے ہجوم میں دشمنوں کے

زنغہ میں حنین واحد کے خونریز معرکوں میں ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ جان پدر اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے' حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا۔'' ایک دوسرے کے جواب میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑے (۱)۔ گا۔'' مکہ میں ایک مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے۔ ''خدا کی قسم! عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا۔'' (۲)۔

ایک دفعہ حرم میں بیٹھ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اب جیسے ہی یہاں قدم رکھیں ان کی بوٹی بوٹی اڑادی جائے۔ حضرت فاطمہؓ ان کی یہ تقریر سن رہی تھیں وہ روتی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو تسکین دی اور وضو کے لیئے پانی مانگا' وضو کرکے آپ ﷺ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہوگئے۔ جب خاص صحن حرم میں پہنچے اور کفار کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو خود بخود ان کی نگاہیں جھک گئیں۔ (۳)۔

جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ شب ہجرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے' لیکن آپ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے عزیز قوت بازو علی مرتضٰیؓ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا' حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے' بستر خواب نہیں' لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک قادر کل ہستی ہے' جو تختۂ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (۴)۔

گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کیئے ہوئے تھے اور یہ خیال ہوسکتا تھا کہ صبح امید کے انتظار میں مکہ کے برنا وپیر عجب نہیں کوچوں میں اور گلیوں میں مشتاق

خبر پھر رہے ہوں، لیکن آپﷺ نے اذان الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ اس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہے، آخری آیت یہ تھی:

وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشینا ھم فھم لا یبصرون۔ (یس)

ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

مکہ سے نکل کر آپﷺ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غار ثور میں پناہ لی، قریش میں خون آشامی کے ساتھ اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا اور اس لیئے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے، کون کہہ سکتا ہے کہ اس پرخطر حالت میں

---

(۱)۔ یہ دونوں واقعے ابن ھشام میں ھیں۔ (۲)۔ صحیح بخاری اواخراج اول۔ (۳)۔ مسند اول ج ۱ صفحہ ۳۶۸۔ (٤)۔ ابن ھشام و طبری۔

کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ یارسول اللہ! دشمن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی، لیکن آپﷺ نے روحانیت کی پرسکون آواز میں فرمایا۔ ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو، (۱)۔ پھر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فرمایا:

لا تحزن ان اللہ معنا۔

لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔

''غزوۂ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہاں بہت سے درختوں کے جھنڈ تھے' دوپہر کا وقت تھا۔ صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر سو رہے تھے' آپ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرماتے۔ آپ ﷺ کی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اس موقع کی تاک میں تھا' چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار اتار کر نیام سے باہر کی اور آپکے سامنے آیا کہ دفعتاً آپ ﷺ ہوشیار ہوئے' دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے' بدو نے پوچھا! اے محمد ﷺ اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پراطمینان صدا آئی کہ اللہ۔''

(۴)۔

---

(١)۔ صحیح بخاری ھجرت۔ (٢)۔ سیرت ج ١ سلسلہ غزوات جامع ترمذی تفسیر مائدہ۔ (٣)۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد۔
(٤)۔ مسند ابن حنبل ج ٣ صفحہ ٤٧١۔

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کو چھوڑ دو (١)۔ کہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔'' خیبر میں جس یہود نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا' اس سے آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا۔ ''آپ ﷺ کے قتل کرنے کے لیئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خدا تم کو اس پر مسلط نہ کرتا۔ (٢)۔''

احد اور حنین کے معرکوں میں جب میدان جنگ تھوڑی دیر کے لیئے جان نثاروں سے خالی ہو گیا تھا' آپ ﷺ کا استقلال' توکل علی اللہ و سکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔ یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یک رخی تصویر ہے اس مرقع کا دوسرا رخ بھی کچھ اس سے کم موثر نہیں ہے۔ آپ ﷺ پر فقر و غنا کے مختلف دور گزرے' کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے

آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے' حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیئے اٹھا رکھا جائے لیکن تمام عمر آپ ﷺ کا طرز عمل اس کے خلاف رہا۔ کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیئے اٹھا کر نہیں رکھی گئی۔ ضروری اور بقدر کفالت اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کر دیا جاتا تھا۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لایدخر لغد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کیلئے کوئی چیز اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی تھی بلکہ آپ ﷺ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے (۲)۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (۳)۔ اس قسم کے متعدد واقعات جود و سخا کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں وہ پڑی ہوں گی' اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ ﷺ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا۔ ارشاد ہوا کہ عائشہؓ! کیا محمد ﷺ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا۔ جاؤ پہلے ان کو خیرات کر دو۔ (۴)۔

صبر و شکر ::

رنج وغم کے متعاقب اور تو ام دور کس کی زندگی میں نہیں آتے' لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشہ میں سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے۔ کامیابی و

ناکامیابی کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔قرآن مجید میں اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے:

(۱)۔صحیح مسلم باب السم۔ (۲)۔صحیح بخاری باب من صلی بالناس فذکر حاجتہ فتخطاھم و مسند احمد ج ٦ صفحہ ۲۹۳ (۳)۔ ابوداؤد باب قول ھا یا المشرکین۔ (٤)۔مسند احمد و ابن سعد جزء الوفاہ۔

ما اصاب من مصیبہت فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلك علی اللہ یسیر لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم @ واللہ لا یحب کل مختال فخور۔(حدید۔۳)

جتنی مصیبتیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی تھیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضا میں لکھ لی گئی ہیں' یہ بات خدا کے لیئے آسان ہے یہ اس لیئے کیا گیا تاکہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو' خدا مغرور اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔

رسول اللہﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہوسکتی تھیں' تاہم آپﷺ کے آئینہ دل میں کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہیں ڈالا۔آپﷺ نے فرمایا انا سید ولد ادم ولا فخر میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں' لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔عدی بن حاتم طائی نے جو مذہبا عیسائی تھے۔آپﷺ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیئے بارگاہ اقدس میں آئی اور

مجمع سے ذراہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی، آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے، جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں بادشاہ نہیں۔(۱)۔

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ وخیبر کا فاتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہروں کے اندر داخل ہوا۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی طوی میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا۔

ان رسول اللہ ﷺ لما انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلته لیضع راسه تواضعا لله حین رای ما اکرمه الله من الفتح حتی ان عثنونه لیکاد یمس واسطته الرحل۔ (۲)۔

جب آنحضرت ﷺ ذی طوی میں پہنچے اور دیکھا کہ خدا نے آپ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا تا کہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں پھر یہاں تک کہ آپ ﷺ جھکے کہ آپ ﷺ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے۔

آنحضرت ﷺ کثرت سے عبادت اور تسبیح و تحلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا تو آپ ﷺ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا، اب آپ ﷺ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں۔ ارشاد ہوا:

افلا اکون عبدا شکورا۔ (۳)۔

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

یعنی اگر یہ تعبد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیئے تھی' تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گزاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔ دنیا کے اعاظم رجال جن کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا' اپنی

(۱)۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۷۰ ج ۲۔ (۲)۔ سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ۔ (۳)۔ صحیح بخاری قیام اللیل۔

ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو' اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و ادب کی طرف منسوب کرتے ہیں' لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح میں یہ تخیل شرک و کفر کے ہم پایہ ہے' ان کو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر قادر کل کا دست غیر مرئی کا کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ (۱)۔

انہ کان اذجاء ہ امر سرورا و یسربہ خرسا جدا شاکر اللہ تعالی۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالٰی کا شکر ادا کرنے کیلئے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ (۲)۔ اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ ﷺ فوراً سجدہ الٰہی بجالائے۔ (۳)۔ وحی کے ذریعہ سے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ ﷺ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا تو اس رفع منزلت پر آپ ﷺ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ (۴)۔

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زوعرا کے قریب پہنچے تو سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اٹھا کر دیر تک بارگاہ الٰہی میں دعا کی' پھر سجدہ میں گئے اور دیر تک اسی

حالت میں پڑے رہے۔ پھر سر اٹھا کر بدستور دعا کے لیئے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیر تک سجدہ میں رہے۔ پھر اٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی۔ اس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔ میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لیئے خدا سے دعا مانگی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا۔ میں شکر کے لیئے سجدہ میں گرا' پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی میں سجدۂ شکر بجالایا اور پھر دعا و زاری کی اس نے اس کو بھی درجہ استجابت بخشا اور پھر میں سجدہ میں گر پڑا۔ (۵)۔

سورۂ والضحیٰ میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے:

والضحی @ والیل اذا سجی @ ما ودعک ربک وما قلی @ وللاخرۃ خیر لک من الاولی @ ولسوف یعطیک ربک فترضی @ الم یجدک یتیما فاوی @ ووجدک ضالا فھدی @ ووجدک عائلا فاغنی @ فاما الیتیم فلا تقھر @ واما السائل فلا تنھر @ واما بنعمۃ ربک فحدث @ (ضحی)

(اے پیغمبر) دن کے پہلے پہر کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجھ کو چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا یقیناً تیری پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہے وہ تجھ کو وہ کچھ دے گا جس سے خوش ہو جائے گا۔ کیا اس نے تجھ کو یتیم نہیں پایا تو اپنی پناہ میں لے لیا اور تجھ کو راہ حق کو جویاں پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھا دی اور تجھ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے

رہنا۔

آپ ﷺ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ ﷺ عمر بھر کیونکہ اس ارشاد ربانی کی تعمیل کرتے رہے۔

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر۔ (۲)۔ زاد المعاد بحوالہ بیہقی بسند علی شرط البخاری ج ۱ صفحہ ۱۹۷ (۳)۔ ایضًا۔ (٤)۔ مسند احمد عن عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ (٥)۔ ابوداؤد کتاب السجود۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں یہ دونوں متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپ ﷺ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول ﷺ اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آئی ہے؟ ارشاد ہوا کہ پیغمبروں پر پھر اسی طرح درجہ بدرجہ لوگوں پر۔ (۱)۔ واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں' آپ سردار انبیاء تھے۔ اس بناء پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کے دوش مبارک پر تھا۔ اس لیئے قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۂ احقاف میں ہے۔

واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل •

(اے پیغمبر) جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔

آپ ﷺ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا' عہد طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہ لطف زخم یتیمی کا مرہم تھا وفات پائی۔ نبوت کے بعد ابو طالب نے جو قریش کے ظلم وستم کے سپر تھے۔ مفارقت کی محرم اسرار ام المومنین خدیجہ الکبریٰؓ جو اس ہجوم مصائب میں آپ ﷺ کی

تنہا مونس و غمخوار تھیں موت نے ان کو بھی اسی زمانہ میں آپ ﷺ سے علیحدہ کر دیا۔ والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے۔ جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی' لڑکیوں کی تعداد چار تھی' لیکن ایک (حضرت فاطمہؓ) کے سوا سب نے کم سنی یا جوانی میں آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگر چہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ سکینت کی مہر لگی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنان قضاء کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو۔

آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ نے ۸ھ میں وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپ ﷺ نے خود بنفس نفیس ہدایات دیں۔ جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زیدؓ (پروردۂ خاص) اور حضرت جعفرؓ (ابن عم) دونوں آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلود ہو گئی' لیکن اسی اثنا میں حضرت جعفرؓ کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے منع کرا بھیجا۔ آپ ﷺ کا ایک نواسہ جس سے آپ ﷺ کو محبت تھی مبتلائے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بلا بھیجا' لیکن آپ ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا۔

انا لله ما اخذوله ما اعطى و كل عنده باجل مسمى فلتصبر ولتحتسب۔

اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اس کا ہے اس کا ہر کام وقت مقرر پر ہوتا ہے صبر کرو اور اس کی خیر طلب کرو۔

صاحبزادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا' آپ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ وہاں تشریف

لے گئے' بچہ آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا' وہ دم توڑ رہا تھا' آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فرمایا جذبۂ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے' خدا اپنے بندوں میں سے رحم دلوں ہی پر رحم کرتا ہے۔

(۱)۔ سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔

ایک بار آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ "انتقال کر گئے۔" صحابہ نے کہا۔ "نہیں یا رسول اللہ!" آپ ﷺ رو پڑے تو آپ کو روتے دیکھ کر صحابہ بھی رو پڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا' لیکن زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے عذاب ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے وقت جب آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا یہ رحمت و شفقت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دوبارہ گزارش کی۔ ارشاد(۱)۔ ہوا۔

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون۔

آنکھ اشک ریز ہے دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو' اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں بہت غمگین ہیں۔

بہر حال یہ واقعات آتی ہیں' یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے' پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب و حوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانہ صبر لبریز نہ ہونے پائے سخت مشکل ہے۔ ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طائف اور مکہ کے اشقیائے دعوت حق کا جس تحقیر و استہزاء سب وشتم تعذیب و

ایذاء رسانی کے ساتھ جواب دیا۔ اس کے دہرانے کی حاجت نہیں۔ مدینہ منورہ میں آٹھ نو برس تک جن خونی معرکوں کا ہمیشہ سامنا رہا اور دشمنوں نے آپ ﷺ کی جلاوطنی اور قتل وشکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں' لیکن ان تمام تیروں کی بوچھاڑ صبر کے سوا آپ ﷺ نے کس سپر پر روکی؟

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں' فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی' لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقراء میں لٹ چکا ہوتا۔ چنانچہ اسی بناء پر آپ خود اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقر وفاقہ میں گزرتی تھی۔ جسم مبارک کے لیئے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑ نہیں ہوتا تھا۔ تاہم یہ تمام شدائد اس لیئے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الوان نعمت کی خوشگواری اور لباس ہائے فاخرہ کی مسرت سے کہیں زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزماء اس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے۔ دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپ ﷺ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا۔ اعتراض کیا۔ اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ ﷺ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا' حق تو ہمارا تھا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا:

رحمتہ اللہ علی موسیٰ قد اوذی اکثر من ذلک فصبر۔ (باب غزوہ حنین)

موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو' وہ اس سے بھی زیادہ اپنے دوستوں کی طرف سے ستائے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا۔

---

(۱)۔ ان تمام واقعات کے لیئے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

انک لعلی خلق عظیم

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ ﷺ کی زندگی تمام انبیاء کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف ۔اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی وعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی۔ دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلح اعظم (بودھ) عملاً کیا تھا؟ کوہ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیح) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا' لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے لیے زریں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ لیکن مکہ کا معلم امی پکار کر کہتا تھا:

لما تقولون مالا تفعلون (بقرہ)

جو نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو۔

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ ﷺ نمونہ تھا۔انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتا تھا گھر کے خلوت کدہ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا' اخلاق وعمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا' بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز دان ہو سکتا ہے۔ چند صاحبوں نے آ کر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاق بیان کیجئے' انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ۔ان خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان القران آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ (۱)۔

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقول کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعی ہے۔قرآن مجید لاکھوں مخالفین واہل عناد

کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا۔

ان لعلی خلق عظیم@

اے محمد ﷺ تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بے درد نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ ﷺ کو سنگ دل کہتے ہیں ۔اس وقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپ ﷺ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا۔

فبما رحمته من الله لنت لهم ولو کنت فظا غليظ
القلب لا انفضوا من حولك (آل عمران)

خدا کی عنایت سے تم ان سے بنرمی پیش آتے ہو‘ اگر تم کہیں
کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے آس پاس
سے ہٹ جاتے۔

دوسری جگہ کہتا ہے:

(۱)۔ابوداؤد باب الصلوۃ فی اللیل۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزيز عليه ما عنتم
حريص عليكم بالمؤمنين رئوف رحيم (توبه)

تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا‘ اس پر تمہاری
تکلیف بہت شاق گزرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے۔
اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو

زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت، غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیئے۔

اخلاق نبوی ﷺ کا جامع بیان ::

اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہوسکتا ہے، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں۔ زمانہ آغاز وحی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں۔ "ہرگز نہیں! خدا کی قسم! آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہ کرے گا آپ ﷺ صلہ رحم کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ (۱)۔

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کیئے ہیں۔ فرماتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ (۲)۔ آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ

میں انتقام نہیں لیا' لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا۔(۳)۔ (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپﷺ اس پر حد جاری فرماتے تھے) آپﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپﷺ نے کبھی کسی غلام' لونڈی کو' کسی عورت (۴)۔ کو جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' آپﷺ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ نا جائز ہو۔(۵)۔آپﷺ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے' دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔(۶)۔باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔(۷)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۲)۔ جامع ترمذی و شمائل ترمذی۔ (۳)۔ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔ (٤)۔ تفصیل مسلم اور ابوداؤد وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ (۵)۔ حاکم بہ سند متصل' اس کے بعض ٹکڑے صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ (٦)۔ ابن سعد۔ (۷)۔ صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد۔

حضرت علیؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے۔ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے ان سے آپﷺ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا آپﷺ خندہ جبین' نرم خو مہربان طبع تھے۔سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے' بات بات پر شور نہیں کرتے تھے۔کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے' عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔کوئی ایسی بات ہوتی جو آپﷺ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے' کوئی آپﷺ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے' یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپﷺ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔اپنے نفس

سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل دور کر دی تھیں‘ بحث و مباحثہ‘ ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا‘ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو برا نہیں کہتے تھے‘ کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے‘ کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا‘ جب آپ ﷺ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں‘ جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے‘ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے‘ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے‘ جن پر لوگ تعجب کرتے آپ ﷺ بھی کرتے۔ کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے‘ لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ (۱)۔ نہایت فیاض‘ نہایت راست گو‘ نہایت نرم طبع اور نہایت خوش طبع تھے۔ اگر کوئی دفعتاً آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔ (۲)۔

ہندؓ ابن ہالہ جو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آغوش پروردہ تھے‘ وہ بیان کرتے ہیں۔ (۳)۔ کہ آپ ﷺ نرم خو تھے‘ سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی توہین روا نہ رکھتے تھے‘ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے‘ کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو برا بھلا نہ کہتے‘ کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آ جاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے‘ لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ ﷺ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے (انتقام لیا۔)

مداومت عمل ::

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے' انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کرسکتی ہے اور وہ فطرتاً اسی پر مجبور ہے۔ آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہوسکتا' رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے' وہ روشنی کی علت نہیں' درخت اپنے موسم

---

(۱)۔ پوری تفصیل شمائل ترمذی بیان اخلاق میں ھے (۲)۔ یہ ٹکڑا شمائل ترمذی بیان حلیہ مبارك میں ھے (۳)۔ شمائل ترمذی

ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہاری میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال واخلاق سے ایک سرمو تجاوز نہیں کرسکتا' لیکن انسان خدا' کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے' وہ آفتاب بھی ہے' اور رات کی تاریکی بھی' اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں' وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال واخلاق پر مجبور نہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اور اس کے مکلّف اور ذمہ دار ہونے کا اثر ہے' لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیئے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے' اور اس طرح دائی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں۔ جیسے آفتاب سے روشنی' درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہوسکتیں۔ اسی کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے

تھے۔جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے۔سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا۔اس بناء پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ کی استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں۔آپ ﷺ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے' جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق واعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا۔ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عبادات واعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا لا کان عملہ دیمتہ آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی' اسی طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی ہمیشہ اس کی پابندی کی۔پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کر سکتے تھے وہ تم سے کون کر سکتا ہے۔

(۱)۔دوسری روایت میں ہے:

وکان اذا عمل عملا ثبتہ (۲)۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔

اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود ارشاد ہے:

ان احب العمل الی اللہ اودمہ۔ (۳)۔

خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق (۲)۔ ابوداؤد آخر کتاب الصلوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الادب (۳)۔ ایضاً

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی۔ اگر کبھی مزاج اقدس ناسازیاست ہوا تو بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔(۱)۔

جریرؓ بن عبداللہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے' ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ ﷺ نے مسکرا نہ دیا ہو۔(۲)۔

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کرلیا تھا اس میں کبھی تخلف نہ ہوا' نماز اور تسبیح و تحلیل کے اوقات نوافل کی تعداد' خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات' ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہ آیا' اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

حسن خلق ::

(حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت انسؓ حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے ہیں۔ ان سب کا متفقاً بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج' خوش اخلاق اور نکوسیرت تھے' آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا' وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے' کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔(۳)۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے' کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے۔ جب تک وہ خود منہ نہ ہٹائے' مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا۔ یعنی کسی

سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے۔ اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانوں ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ اکثر نوکر چاکر، لونڈی، غلام خدمت اقدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ ﷺ اس میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ متبرک ہو جائے۔ جاڑوں کا دن اور صبح کا وقت ہوتا تاہم ہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔ (۴)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ سے ملنے گئے واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیسؓ کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیسؓ سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔ انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر واپس جاؤ، وہ واپس چلے آئے۔ (۵)۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے، صحابہ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے۔ اس لیئے میں خود ان کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔ (۶)۔

عتبان بن مالک جو اصحاب بدر میں تھے ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیئے اگر آپ ﷺ میرے گھر تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا۔

---

(۱)۔ ابوداؤد قیام اللیل (۲)۔ صحیح مسلم مناقب جریرؓ بن عبداللہ (۳)۔ ابوداؤد ترمذی۔ (۴)۔ صحیح مسلم باب فی قرب النبی ﷺ من الناس۔ (۵)۔ ابی دائود کتاب الادب۔ (۶)۔ شرح شفائے قاضی

دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا۔ اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے، اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتا دی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لیئے اصرار کیا۔ خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے، قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا۔ محلّہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا مالک بن وخشن نظر نہیں آتے۔ ایک نے کہا وہ منافق ہے۔ ارشاد فرمایا یہ نہ کہو، وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، ہاں! ان کا میلان منافقین کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی کے لیئے لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔ خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔ (۱)۔

ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مہاجرین انصار کے گھر میں مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر میں مہمان اتاری گئی تھی، مقدادؓ بن الاسود کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا۔ جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل تھے، گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا، دودھ دوھ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ ﷺ کے لیئے پیالہ میں چھوڑ دیتے۔ ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی، لوگ دودھ پی پی کر سو رہے۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے پھر فرمایا، خدایا جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا۔ حضرت مقدادؓ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں۔ آپ ﷺ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوھ کر جو کچھ نکلا اسی کو پی کر سو رہے (۲)۔ اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔

ابوشعیبؓ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا۔ ان دن

وہ خدمت اقدس میں آئے۔ آپ ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرماتھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابوشعیبؓ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں' کل پانچ آدمی تھے' راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہولیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوشعیبؓ سے کہا یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا آپ ﷺ ان کو بھی ساتھ لائیں۔ (۳)۔

عقبہؓ بھی عامر ایک صحابہ تھے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ آؤ سوار ہو لو۔ اس کو گستاخی سمجھا کر رسول ﷺ اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ کہا۔ اب انکار کرنا' امتثال امر کے خلاف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتر پڑے اور یہ سوار ہوئے۔

مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ حضرت زینبؓ سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور

---

(۱)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۶۱ کتاب الصلوٰۃ۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ۶ صفحہ ۴ (۳)۔ بخاری صفحہ ۸۲۱ (۴)۔ نسائی ص ۸۰۳

حضرت زینبؓ بھی مجلس میں شریک تھیں' آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں' لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا' آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ تک گئے۔ واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا۔ پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری۔

غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آگیا۔ حسب دستور ٹھہر گئے' مؤذن نے اذان دی ابومحذورہ جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے' چند دوستوں کے

ساتھ گشت لگا رہے تھے' اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابو محذورہ خوش لہجن تھے ان کی آواز پسند آئی' سامنے بٹھا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیئے دعا کی' پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔ (۲)۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟ میں نے کہا کھجوروں کے لیئے ارشاد فرمایا زمین پر ٹپکی ہوئی کھجوریں کھالیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو' یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ (۳)۔

عباد بن شرجیل مدینہ میں ایک صاحب تھے۔ ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خوشے توڑ کر کچھ کھائے' کچھ دامن میں رکھ لیئے' باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے آ کر ان کو مارا اور کپڑے اتروا لیئے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئے۔ مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا' یہ بھوکا تھا اس کو کھلانا تھا۔ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔ (۴)۔

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو انصار نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اس حالت میں مقاربت ناجائز ہے' اس بناء پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہیں۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ

شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاربت بھی کیوں نہ کریں' رخسارہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا۔ دونوں صاحب چلے گئے۔آپ ﷺ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں۔اس وقت ان کو تسکین ہوئی کہ آپ ﷺ ناراض تھے۔(۵)۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڈالیں۔(۶)۔

---

(۱)۔ بخاری صفحہ ۹۲۲ باب آیتہ الحجاب۔ (۲)۔ دارقطنی مطبوعہ دھلی ج ۱ صفحہ ۸۶ کتاب الصلوۃ۔ (۳)۔ ابودائود کتاب الجھاد۔ (۴)۔ ایضاً۔ (۵)۔ ابودائود مواکلتہ الحائض۔ (۶)۔ ابودائود ج ۲ کتاب الادب۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔آپ ﷺ نے فرمایا اچھا آنے دو۔وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔حضرت عائشہؓ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا خدا کے نزدیک سب سے براوہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔(۱)۔ یہود جس درجہ شقی اور دشمن اسلام تھے' اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوچکا ہوگا۔باایں ہمہ آنحضرت ﷺ ان سنگدلوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور ان سے داد وستد رکھتے' سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے کہ ''اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔(۲)''

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے

(نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے' انہوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے' اس لیئے قریش نے متفقاً آپ ﷺ کو امین کا خطاب دیا تھا۔ نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے تاہم ان کی دولت کے لیئے ماموں مقام آپ ﷺ ہی کا کاشانہ تھا۔ عرب میں سائبؓ نام ایک تاجر تھے' وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ ﷺ سے ان کا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائبؓ نے کہا۔ میرے ماں باپ فدا' آپ ﷺ میرے ساجھی تھے' لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ (۵)۔

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضے کو آیا۔ آپ ﷺ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دیں اور انصاری نے کھجوریں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسی اس نے دی تھیں۔ اس شخص نے لینے سے انکار کیا۔ انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو' بولا ہاں رسول اللہ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے' آنحضرت ﷺ نے یہ جملے سنے تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔ (۶)۔

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت ﷺ پر تھا۔ بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہیں۔ اس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی۔ صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے کہ تو کس سے ہمکلام ہے؟ بولا کہ میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیئے

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الادب با المناقب۔ (۲)۔ حوالہ سابق۔ (۳)۔ بخاری و ابوداؤد باب السلام۔ (۴)۔ بخاری باب السلام علی جماعتہ فیکا الکافر۔ (۵)۔ دود ج ۳ صفحہ ۲۱۷ (۶)۔ ترغیب و

کیونکہ اس کا حق ہے (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے) اس کے بعد صحابہ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔(۱)۔

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ ہمرکاب تھے ان کی سواری میں جو اونٹ تھا وہ سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہو گیا تھا' آپ ﷺ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دے دیا کہ دونوں تمہارے ہیں۔(۲)۔

یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہوتو دو'انہوں نے دی۔ آپ ﷺ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے' مدینہ پہنچ کر جابرؓ بن عبداللہ نے قیمت طلب کی۔ آپ ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا کہ ان کو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔(۳)۔

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا تو صحابہ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھا دو' خود شریک نہ ہوتے۔(۴)۔

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا۔ جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں۔(۵)۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا' سو اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاوان ادا فرمایا۔(۶)۔

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا' بجز اس دینار کے حق کو فرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔(۷)۔

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا۔آنحضرتﷺ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں۔آپﷺ نے ایک وسق چھوہاروں پر گوشت چکا لیا۔گھر میں آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے' باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا' لیکن چھوہارے میرے پاس نہیں ہیں۔اس نے واویلا مچایا کہ ہائے بددیانتی۔لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ بددیانتی کریں گے؟ آپﷺ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو۔اس کو کہنے کا حق ہے۔پھر قصاب کی طرف خطاب کرکے وہی فقرہ ادا کیا۔اس نے پھر وہی لفظ کہے۔لوگوں نے پھر روکا۔آپﷺ نے فرمایا اس کو کہنے دو' اس کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کوئی بار دہراتے رہے اس کے بعد آپﷺ نے ایک انصاریہ کے ہاں اس کو بھجوایا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے' جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپﷺ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔اس کا دل آپﷺ کے حلم و عفو اور حسن معاملت سے متاثر تھا۔دیکھنے کے ساتھ بولا محمد تم کو خدا جزائے خیر دے' تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔(۸)۔

---

(۱)۔ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان۔ (۲)۔بخاری صفحہ ۲۸۲ باب شری الدواب۔ (۳)۔صحیح بخاری کتاب الوکالۃ۔ (٤)۔صحیح بخاری صفحہ ۸۰۹ کتاب النفقات۔ (۵)۔ترمذی باب استقراض البعیر ۲۲۵۔ (٦)۔ترمذی ابواب الکلام صفحہ ۲۳۱۔ (۷)۔بخاری ج ۱ صفحہ ۳۲۱ کتاب الاستقراض۔ (۸)۔مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۳٦۸۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش ہوا۔ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا اتفاقاً ادھر سے آپﷺ کا گزر ہوا۔آپﷺ نے اونٹ کی

قیمت پوچھی' لوگوں نے قیمت بتائی۔ بے مول تول کیئے آنحضرت نے وہی قیمت منظور کرلی۔ اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے' بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی۔ قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی اس نے کہا مطمئن رہو ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا۔ یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا۔ رات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے لیئے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوادیں۔ (۱)۔

غزوہ حنین میں آپ ﷺ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ صفوان اس وقت تک کافر تھے ان کے پاس بہت سی زرہیں تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے کچھ زرہیں طلب کیں۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے' فرمایا نہیں! میں عاریتا مانگتا ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاوان دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے چالیس زرہیں مسلمانوں کو عاریتا دیں۔ حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامان کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہیں کم نکلیں۔ آپ ﷺ نے صفوان سے کہا تمہاری چند زرہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو' صفوان نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے دل کی حالت پہلے جیسی نہیں (۲)۔ یعنی مسلمان ہوگیا۔ اب معاوضہ کی حاجت نہیں۔

عدل وانصاف ::

کوئی شخص گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لیئے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا۔ یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے۔ ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا' ان سب مشکلات کے باوجود انصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خم نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھالینا

پڑا۔ صخرؓ ایک رئیس تھے' ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اور اہل شہر کو اس قدر دیا کہ وہ بالاٗخر مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صخر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی۔ مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے۔ صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا' اب ہم اسلام لائے' ہمارا چشمہ ہم کو واپس دلا دیں۔ آپ ﷺ نے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیئے ان کو ان کا چشمہ دے دو۔ صخر کو منظور کرنا پڑا' راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے صخر نے دونوں حکم منظور کیئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ پر شرم سے سرخی آ گئی کہ (۳)۔ صخر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا ان کا کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخزوم سے تھی چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے

---

(۱)۔ دار قطنی جلد ثانی صفحہ ۳۰۸ کتاب البیوع۔ (۲)۔ ابو دائود باب تضمین العاریۃ۔ (۳)۔ ابو دائود صفحہ ۸۰ ج ۲

تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ زیدؓ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے' لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ﷺ سفارش کیجئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے۔ امراء سے درگزر کرتے تھے۔ (۱)۔

خیبر کے یہودیوں سے جب صلح ہو کر وہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبداللہؓ بن سہل ایک دفعہ کھجوروں کی بٹائی کے لیئے گئے' محیصہ ان کے چچیرے بھائی

ساتھ تھے۔ عبداللہ گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گڑھے میں ڈال دی' محیصہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر استغاثہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا۔ بولے میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تو یہود سے حلف لیا جائے تو بولے حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا' یہ سو دفعہ جھوٹی قسم کھا لیں گے۔

خیبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی۔ یہ یقینی تھا کہ یہودیوں نے عبداللہ بن سہل کو قتل کیا ہے تاہم چونکہ کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے تعرض نہیں فرمایا اور خون بہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔ (۲)۔

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے' شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا۔ زنانی سواری بھی ساتھ تھی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے اور سلام علیک کی۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔ ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اس کی قیمت پوچھی ہم نے جواب دیا اتنی کھجوریں' انہوں نے کچھ مول تول نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے' نظروں سے اوجھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے۔ ہم لوگ ان کو پہچانتے نہیں لوگوں نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا۔ محمل نشین خاتون نے کہا مطمئن رہو۔ ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمہارے لیئے کھانا اور کھجوریں بھیجی ہیں' دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے اٹھ کر کہا۔ یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے

مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بدلہ میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا۔ (۳)۔

سرقؓ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی۔ بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کر دو۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ آپ ﷺ نے بدو سے کہا کہ بازار سے لے جا کر ان کو فروخت کر لو۔ بدو ان کو بازار میں لے گیا۔ ایک صاحب نے دام دے کر بدو سے خرید ا اور آزاد کر دیا۔ (۴)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الحدود۔ (۲)۔ یہ واقعہ بخاری و نسائی وغیرہ میں (باب الصنامتہ) میں باختلاف روایات مذکور ھے۔ (۳)۔ باختلاف روایات مذکور ھے۔ (٤)۔ ایضا صفحہ ۳۱٤۔

ابو حدرد اسلمیؓ ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے' ابو حدردؓ نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی' لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کر دو۔ انہوں نے عذر کیا' آپ ﷺ نے پھر فرمایا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا' اورعرض کی کہ یا رسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے۔ شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کر دوں۔ آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کر دو' آخر اپنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔ (۱)۔

اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے۔ اپنے مقدمات آپ ﷺ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے۔

(۲)۔اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے۔اسلام سے پہلو یہودیان بنونضیر وقریظہ میں عزت وشرافت کی عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قریظی اگر کسی نضیر کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا'لیکن اگر کوئی قریظی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔آپ ﷺ نے فوراً تو راہ کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کردیا۔(۳)۔

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے' لوگوں کا گرد وپیش ہجوم تھا۔ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا۔دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔آپ ﷺ نے اس کا ٹھوکا دیا۔اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آ گئی فرمایا مجھ سے انتقام لو'اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے معاف کردیا۔(۴)۔مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان کیا۔ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو'اگر میں نے کسی کی جان ومال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہوتو میری جان ومال وآبرو حاضر ہے'اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے'مجمع میں سناٹا تھا۔صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے(۵)۔گئے۔

جودوسخا ::

جودوسخا آپ ﷺ کی فطرت تھی (ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ ﷺ اور زیادہ سخاوت کرتے تھے۔(۶)۔)تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا لفظ نہیں فرمایا۔(۷)۔

انما اناقاسم وخازن واللہ یعطی (۸)۔(بخاری)

میں تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دیتا اللہ

(۱)۔ مسند احمد ج ۳ صفحہ ۲۲۳ معجم صغیر طبرانی معجم عیدان۔ (۲)۔ ابوداؤد باب تضیمن العاریۃ جلد ثانی۔ (۳)۔ ابوداؤد کتاب الدیات۔ (٤)۔ ابوداؤد باب القود بغیر حدید۔ (٥)۔ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام۔ (٦)۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۷)۔ صحیح بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق۔ (۸)۔ صحیح بخاری باب فرض الخمس۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ ﷺ سے درخواست کی اور آپ ﷺ نے سب کی سب دے دیں۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا اسلام قبول کرلو۔ محمد ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔ (۱)۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے' تم میرے ساتھ آؤ' حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے۔ عرض کی کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے؟ ایک اور صاحب حاضر تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ دیئے جائیں اور عرش والے خدا سے نہ ڈریئے' وہ آپ ﷺ کو محتاج نہ کرے گا۔ آپ ﷺ فرط بشاشت سے مسکرا دیئے۔ (۲)۔

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بناء پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا' آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر کہا میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں' اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور حاجت براری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔ (۳)۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے' قیمت چکا دینے کے بعد

خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ نے بازار میں غلہ فروخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا۔ وہ ادا کیا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر اطلاع کی' آپ ﷺ نے پوچھا کچھ بچ تو نہیں رہا۔ بولے ہاں کچھ بچ بھی رہا۔ فرمایا کہ جب تک کچھ باقی رہے گا میں نہیں جا سکتا۔ حضرت بلالؓ نے کہا میں کیا کروں' کوئی سائل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں رات بسر کی دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آ کر کہا یا رسول اللہ! خدا نے آپ ﷺ کو سبکدوش کر دیا' یعنی جو کچھ تھا' وہ بھی تقسیم کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ (۱)۔

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے' اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے۔ اس لیئے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔ (۲)۔

غزوہ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے' راہ میں بدوؤں کو خبر ملی کہ ادھر سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہونے والا ہے آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو' آپ ﷺ اژدہام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ردائے مبارک تھام لی' بالآخر اس کشاکش میں جسم اطہر سے چادر اتر کر انکے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاض عالم نے کہا میری چادر دے دو' خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے' نہ دروغ گو نہ نامرد۔ (۳)۔

لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو' میں اس کو ادا کر دوں گا اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے۔

میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔(۱)۔

ایثار ::

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہؓ اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے' پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے' تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی' خود چکی پیستیں' خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں' چکی پیستے پیستے ہتھلیاں گھس گئی تھیں اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں' جناب امیرؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا' اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آتی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔(۲)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں اور حضرت زہراؓ خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کا شکایت کر کے عرض کی کہ اب کی غزوہ میں جو کنیزیں آئیں ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔(۳)۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔(۴)۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لا کر پیش کی' آپ ﷺ کو ضرورت تھی' آپ ﷺ نے لے لی۔ ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے؟ آپ نے اتار کر ان کو دے دی' جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی

کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی' یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہاں! لیکن میں نے تو برکت کیلئے لی ہے کہ مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔(۵)۔

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں۔ ان سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کس عسرت اور تنگدستی میں بسر فرماتے تھے۔۳ھ کے بعد فتوحات کو جو وسعت حاصل ہوئی ہے' عرب میں باغات سب سے بہتر جائیداد تھی۔۳ھ میں یہودیان بن نضیر میں سے مخریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مثیب' صافتہ' دلال' حسنیٰ' برقہ' اعواف' مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کر دیئے۔ آپ ﷺ نے سب کو خیرات کر دیا۔ یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے ان میں جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غرباء اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا۔(۷)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات۔ (۲)۔ یہ روایت کتب احادیث (سنن ابی دائود) وغیرہ میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بتا دی کہ یہ لونڈی سے بڑھ کر ہے۔ (۳)۔ ابو دائود ج ۲ صفحہ ۳۴۳ (۴)۔ مسند احمد ج ۱ صفحہ ۷۹ (۵)۔ صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخاء و باب من استعد الکفن۔ (۶)۔ فتح الباری شرح کتاب الفرائض۔ (۷)۔ اصابہ تذکرہ مخیریق۔

ایک صحابی نے شادی کی' سامان ولیمہ کے لیئے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ وہ گئے اور جا کر لے آئے۔ حالانکہ کاشانہ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔(۱)۔ ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا' رات کو کھانے کے لیئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ ﷺ نے اس کی نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانہ نبوت میں فاقہ سے گزری' حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔(۲)۔

مہمان نوازی ::

عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی ﷺ میں آتے تھے۔ رملہؓ ایک صحابیہ تھیں' ان کا گھر دارالضیوف (۴)۔ تھا۔ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے۔ ام شریکؓ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں۔ ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا' مخصوص لوگ مسجد نبوی ﷺ اترتے تھے۔ چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا۔ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے۔ بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے۔ (۵)۔

فیاضی میں کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ ﷺ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے' جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا اور خود بہ نفس نفیس ان کی خدمت (۶)۔ کی ایک دفعہ کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھا سے پلایا' وہ سارے کا سارا پی گیا۔ آپ ﷺ نے دوسری بکری منگوائی' وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا' آپ ﷺ پلاتے گئے۔ (۷)۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آ جاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ (۸)۔ کرتے۔ آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ (۹)۔

صحابہ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا' وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے' لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو' وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لے جائے' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ تین آدمیوں کو ساتھ لائے لیکن

آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ہمراہ (۱۰)۔ لے گئے۔

اصحاب صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت درد انگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرسنگی کی حالت میں گزرگاہ عام پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ راستے سے گزرے تو میں نے بطور حسن طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی‘ حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہو تو آپ ﷺ نے مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ۔ آپ ﷺ گھر پہنچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیتاً بھیجا ہے آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ

(۱)۔ مسند احمد ج ٤ صفحه ٥٨ (۲)۔ ایضاً ج ٦ صفحه ۳۹۷ (۳)۔ زرقانی ذکر وفرد۔ (٤)۔ مسلم ج ۲ صفحه ٥١٩ (٥)۔ شمائل ترمذی۔ (٦)۔ شفائے قاضی عیاض بسند متصل۔ (۷)۔ صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معی۔ (۸)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ صفحه ۳۹۷ (۹)۔ ابودائود کتاب الادب (۱۰)۔ صحیح مسلم ج ۲

اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ میں ان کو بلا لایا تو آپ ﷺ نے مجھ کو دودھ کا پیالہ (۱)۔ دیا کہ سب کو تقسیم کردو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے‘ جب دوپہر ہوتی تو پیالہ آتا اور اصحاب صفہ اس کے گرد بیٹھ جاتے۔ یہاں تک کہ جب زیادہ مجمع ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیئے جگہ نکل آئے۔ (۲)۔

مقداد کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی ہم لوگوں نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا۔ آخر ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آپ ﷺ دولت خانہ پر لوا گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔ چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دوھ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔(۳)۔

ایک دن اصحاب صفہ کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ' چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی۔(۴)۔

گداگری اور سوال سے نفرت ::

باوجود اس کے آپ ﷺ کا ابر کرم ہر وقت برستا رہتا تھا۔ تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ ﷺ کو سخت گراں ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لاد لائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔(۵)۔

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہیں؟ بولے کہ بس ایک بچھونا ہے' جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں اور کچھ بچھا لیتا ہوں اور ایک پانی کا پیالہ ہے آپ ﷺ نے دونوں چیزیں منگوائیں' پھر فرمایا یہ چیزیں کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درہم لگائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیئے۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں دے دیں اور درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسی خریدو اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں بیچو پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے پاس جمع ہو گئے تھے اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کا غلہ مول لیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے۔(۶)۔

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا' آپ نے عنایت فرمایا۔ پھر جب تک کچھ

رہا۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست رد نہیں فرمائی۔ جب کچھ نہیں رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جب تک کچھ رہے گا میں تم سے بچا کر اس کو نہیں رکھوں گا لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال اور گداگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے اور جو خدا سے غنٰی کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنٰی مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو

(۱)۔ ترمذی صفحہ ۲۹۹ (۲)۔ ابودائود کتاب الاطعمہ۔ (۳)۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۹۸ (٤)۔ ابودائود کتاب الادب۔ (٥)۔ صحیح بخاری کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸۔ (٦)۔ ابودائود ترمذی صدقات۔

صابر بنا دیتا ہے اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہیں دی گئی ہے۔(۱)۔

حکیمؓ بن حزام فتح مکہ میں اسلام لائے تھے' ایک دفعہ انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے عنایت فرمایا۔ کچھ دن کے بعد پھر مانگا' آپ ﷺ نے پھر ان کو دیا' تیسری دفعہ پھر سوال کیا' پھر کچھ مرحمت کیا' اس کے بعد فرمایا اے حکیم! یہ دولت سبز و شیریں ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا دست بالا دست زیریں سے بہتر ہے۔ حکیم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے کبھی کسی سے معمولی چیز بھی نہیں (۲)۔ مانگی۔

حجتہ الوداع میں آنحضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ وہ صاحب آ کر شامل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔(۳)۔

الصدقات۔ (۳)۔ ابوداؤد کتاب الزکوۃ۔ (٤)۔ ابوداؤد کتاب الزکوۃ۔ (٥)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ (٦)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ۔ (۷)۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۱ صفحہ ۳۰۱ کتاب الصدقات۔

ہدایا اور تحفے قبول کرنا ::

دوست و احباب کے ہدایا اور تحفے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اس کو ازدیاد محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے۔

تہادوا تحابوا (حدیث)

باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔

اسی لیئے صحابہ عموما کچھ نہ کچھ روز آپ ﷺ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ ﷺ حجرۂ عائشہؓ میں قیام فرماتے تھے۔ (۱)۔ اوپر گزر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ احتراز کرتے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے لے لی۔ اس وقت ایک صاحب نے مانگ لی' آپ نے ان کو عنایت فرمادی۔ (۲)۔ آس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ ﷺ کو تحفے بھیجا کرتے تھے' حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا' عزیز مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا۔ ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی' جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی' آپ نے ذرا دیر کیلئے پہن لی' پھر اتار کر حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کے پاس بھیج دی' وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لیئے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو۔ عرض کی' پھر کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔ (۳)۔ حضرت جعفرؓ ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش میں رہے تھے اور نجاشی نے ان ہی سے

اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایا اور تحفے دینا ::

جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے' ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

كان يقبل الهدية ويثيب عليها

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک قیمتی حلہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلہ میں خریدا تھا آپ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلہ ہدیتا بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دے کر خریدا گیا تھا۔(۴)۔

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً ایک اونٹنی پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے' آئندہ قریش' انصار' ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔(۵)۔

حضرت ایوب انصاریؓ جن کے مکان میں آپ ﷺ چھ مہینہ تک فروکش رہے تھے۔ آپ ﷺ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے۔(۶)۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کے گھروں میں بھی تحفے بھیجتے تھے اصحاب صفہ اکثر آپ ﷺ

---

(۱)۔ بخاری مناقب عائشہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الصدقہ۔ (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ (٤)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز ۲۰۳ (۵)۔ ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۸ (٦)۔ مسلم کتاب الاطعمہ۔

کے تحفوں سے مشرف ہوا کرتے تھے۔

عدم قبول احسان ::

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے' حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جان نثار کون ہوسکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لیئے ناقہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے قیمت ادا کی۔(۱)۔مدینہ میں مسجد کے لیئے جو زمین درکار تھی مالکان زمین نے مفت نذر کرنا چاہی لیکن آپ ﷺ نے قیمت دے کر لی۔ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ہم سفر تھے عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناقہ سے آگے نکل جاتا تھا۔عبداللہ بن عمرؓ روکتے تھے لیکن وہ قابو نہ آتا تھا حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمر کو ڈانٹتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا۔یہ امنٹ میرے ہاتھ بیچ ڈالو' انہوں نے کہا نذر ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا نہیں دام لو۔انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے۔آپ ﷺ نے انکار کیا بالآخر حضرت عمرؓ نے دام لینے منظور کیئے۔آپ ﷺ نے خرید کر عبداللہ بن عمرؓ کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔ (۲)۔

عدم تشدد ::

حضرت معاذؓ بن جبل (جو اکابر صحابہ میں سے تھے) ایک محلّہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں' ابومسعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا۔ آپ نے لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا (۶)۔بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگ کو متنفر کردیتے ہیں جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے' کیونکہ نماز میں

بوڑھے‘ کمزور کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔(۴)۔

حدود قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگزر کرنا چاہتے‘ ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زناء میں مبتلا ہو گئے‘ لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا یا رسول اللہ میں نے بدکاری کی۔ آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا‘ وہ دوسری سمت آئے۔ آپ ﷺ نے اور طرف منہ پھیر لیا‘ آپ ﷺ نے بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آ کر زناء کا اقرار کرتے۔ بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو جنون تو نہیں ہے؟ بولے نہیں۔ پھر پوچھا تمہاری شادی ہو چکی ہے‘ بولے ہاں آپ نے فرمایا کہ تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا؟ بولے نہیں بلکہ مجامعت کی‘ آخر مجبور ہو کر آپ ﷺ نے حکم سنا دیا کہ سنگسار کیئے جائیں۔(۵)۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا۔ آپ ﷺ (سزا) کا حکم دیں۔ آپ ﷺ چپ رہے اور نماز کا وقت آ گیا‘ نماز کے بعد انہوں نے پھر آ کر وہی درخواست کی‘ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نماز نہیں پڑھی‘ بولے ہاں پڑھ لی‘ ارشاد فرمایا تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔(۶)۔

---

(۱)۔ بخاری صفحہ ۵۵۳ (۲)۔ ایضاً صفحہ ۳۸۴ (۳)۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ و باب اہل یقضی الحاکم و ہو غضبان ص ۱۰۶۰ (۴)۔ یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے موقع کیلئے صفحہ ۱۰۰۸ دیکھنا چاہیئے۔ (۵)۔ بخاری صفحہ ۱۰۰۸ (۶)۔ ابوداؤد کتاب الحدود۔

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا‘ واپس جاؤ‘ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ ﷺ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم! مجھ کو حمل رہ گیا ہے‘ پھر فرمایا‘ واپس جاؤ‘ وہ چلی گئی‘ تیسرے دن پھر واپس آئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیئے ہوئے آئی (یعنی اب زناء کی سزاء دینے میں کیا تامل ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی

ایک بار ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں برباد ہوگیا۔ روزہ میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو؟ کہا نہیں فرمایا ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ کہا اس کی بھی قدرت نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیتاً پیش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا سائل کہاں گیا سائل نے کہا یا رسول اللہ! میں یہ ہوں۔ فرمایا ان کھجوروں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دے دو۔ سائل نے عرض کی یا رسول ﷺ اللہ! مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو۔ (۴)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الحدود (۲)۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۲
(۳)۔ ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۲۲۰ (٤)۔ بخاری صفحہ ۲٦۰ باب اذا جامع فی رمضان۔

تقشّف ناپسند تھا ::

رہبانیت اور تقشّف کو ناپسند فرماتے تھے صحابہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو باز رکھا بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے' انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سخت ناراضی ظاہر کی' قدامہؓ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔" آپ ﷺ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے۔ عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا' یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے سختی سے روکا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے' انہوں نے عہد کرلیا تھا کہ ہمیشہ دن کو

روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے عرض کی۔ ہاں! فرمایا تم پر تمہارے جسم کا حق ہے آنکھ کا حق ہے بیوی کا حق ہے' مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں' عبداللہ بن عمروؓ نے کہا' مجھ کو اس سے زیادہ طاقت دے فرمایا کہ اچھا تیسرے دن' بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ ایک دن بیچ دے کر کہ یہی داؤد کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے۔ ارشاد ہوا۔ ''بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔ (۱)۔''

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا' آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے' عرض کی نہیں' فرمایا پانچ بولے نہیں۔ غرض آپ ﷺ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے' بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔ (۲)۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپ رہے' حضرت ابوہریرہؓ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا' آپ ﷺ چپ رہے' سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔ (۳)۔

قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے۔ سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا' لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہ پہچان سکے' انہوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی؟ انہوں نے کہا جب سے آپ ﷺ سے رخصت ہوا متصل روزے

رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا۔ رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے انہوں نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا۔ انہوں نے اور اضافہ کی درخواست کی آپ ﷺ نے تین کر دیئے' ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے اشہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔ (۴)۔ ایک دن چند صحابہ خاص اس غرض سے

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الصوم۔ (۲)۔ بخاری کتاب النکاح۔
(۳)۔ بخاری کتاب النکاح۔ (٤)۔ ابو دائود صفحه ۲۲٤

ازواج مطہرات ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں' وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے بولے کہ بھلا ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب معاف کر دیئے ہیں پھر ایک صاحب نے کہا میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا' ایک اور صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا۔ آنحضرت ﷺ سن رہے تھے۔ فرمایا کہ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں' تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔ (۱)۔

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گزر ہوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں' خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی یا رسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کر لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔ (۲)۔

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی ::

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے' ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا' حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔ یہ الفاظ چند بار فرمائے۔ پھر ارشاد کیا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مداح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔ (۳)۔ ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا۔ حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے' انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور حکم دیا کہ رسول ﷺ اللہ نے حکم دیا کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ (۴)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن ثقفیؓ سے پوچھا یہ کون ہے؟ محجنؓ نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ یعنی دل میں غرور پیدا ہو گا جو موجب ہلاکت ہو گا۔ (۵)۔

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر ہے' خدمت حالی میں آئے اور عرض کی کہ میں نے خدا کی حمد وثناء اور حضور ﷺ کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے' اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیئے۔ اس اثناء میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے۔ آپ ﷺ نے اسود کو روک دیا۔ دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کیلئے آپ ﷺ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔ (۶)۔

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ حسانؓ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس حالانکہ یہ اشعار آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسانؓ کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے' عرب میں شعراء کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس

شخص کو چاہتے ذلیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے۔ ابن الزالبعزی اور کعب اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا' حسان ؓ کی مداحی ان کا ردعمل تھا۔

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب النکاح (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ۵ صفحہ ۳۶۶ (۳)۔ ادب المفرد ٦٦ (٤)۔ ایضًا صفحہ ٦٧ (٥)۔ ادب المفرد صفحہ ٦ (٦)۔ ادب المفرد و صفحہ ٦

سادگی اور بے تکلفی ::

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں (۱)۔ گے۔ روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے' ارشاد تھا کہ ایک دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیئے۔

کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا' کھانے میں جو سامنے آتا' تناول فرماتے پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے۔ زمین پر' چٹائی پر' فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ (۲)۔ آپ کے لیئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ (۳)۔ کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے' لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے سامان آرائش سے طبعًا نفور تھے' غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ (۴)۔

امارت پسندی سے اجتناب ::

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام اسی بناء پر آپ ﷺ ہر قسم کے جائز حظوظ دینوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے تاہم نازونعمت' تکلف وعیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ نے کہا کہ رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا۔ حضرت علیؓ گئے اور آپؐ سے جا کر عرض کی، آپ ﷺ تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو۔ (۵)۔ فرمایا کرتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لیئے ایک بیوی کے لیئے اور ایک مہمان کے لیئے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ (۶)۔

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ رہ گئیں۔ لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیئے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔ (۷)۔ ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے؟ لوگوں نے نام بتایا آپ ﷺ چپ ہو رہے۔ جب وہ حسب معمول خدمت میں آئے اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر سلام کیا، آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپ ﷺ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ۔ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیئے وبال ہے۔ (۸)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۳۱۸ (۲)۔ دیکھو شمائل (۳)۔ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ صفحہ ۹۱۴ (۴)۔ صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد واقعات ہیں۔ (۵)۔ ابوداؤد ج صفحہ ۱۷۱ (۶)۔ ابوداؤد ج ۲ کتاب اللباس (۷)۔ ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۱۹ (۸)۔ ایضاً صفحہ ۳۶۴

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ ﷺ نے پہن لی۔ پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ ﷺ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کیلئے نہیں بلکہ فروخت کیلئے بھیجی' چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو وہ ہزار درہم پر اٹھی۔ (۱)۔

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا' وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے آپ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے اثار پیدا ہوئے' اور فرمایا کہ میں نے اس لیئے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں (۲)۔ بنائی جائیں۔

مہر کرنے کی غرض سے جب آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی' آپ ﷺ کی تقلید میں صحابہ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ اب نہ پہنوں گا۔ صحابہ نے بھی اس وقت اتار کر پھینک (۳)۔ دیں۔

(جس طرح آپ ﷺ خود سادگی پسند فرماتے تھے' اسی طرح آپ ﷺ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے اہل وعیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں' عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت ﷺ اہل بیت کرام کے لیئے اس بات کو بھی خلاف اولی تصور فرماتے تھے۔)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ نا گوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔ (۴)۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکتہ) دیکھے' فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔ (۵)۔

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیتاً بھیجے ان میں ایک انگوٹھی تھی جس میں حبشی پتھر کا نگینہ جڑا تھا' آپ ﷺ کے چہرہ

پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور لکڑی سے اس کو چھوتے تھے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔(٦)۔

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیتاً بھیجا' آپ ﷺ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا۔ پھر فرمایا ''پرہیز گاروں کیلئے یہ کپڑے مناسب نہیں۔''

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے' حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ وعیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ ﷺ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں' اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیرا) بک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے موقع پا کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کپڑا حضور ﷺ خرید لیں اور جمعہ میں سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں' ارشاد فرمایا کہ ''یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور انہی کپڑوں میں وفات پائی۔(٧)۔

(١)۔ ایضاً کتاب اللباس (٢)۔ ابودائود ج ٢ صفحہ ٣٦٤ کتاب اللباس ٧ ابودائود کتاب الخاتم۔ (٣)۔ نسائی ج ٢ صفحہ ١٤٣ (٤)۔ ایضاً۔ (٥)۔ مسند ابن حنبل ج ٢ صفحہ ١١٩ (٦)۔ اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہیں۔

بستر کمبل کا تھا' کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی کھال بھری ہوتی تھی' کبھی معمولی کپڑے کا جو دوتہہ کر دیا جاتا تھا' حضرت حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چار تہہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری ظاہر فرمائی۔(١)۔

٩ھ میں جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلامی حکومت تھی' فرمانروائے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ (٢)۔ تھا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر

میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے (۳)۔ کہ دنیا میں انسان کے لیئے اتنا کافی ہے' جتنا ایک مسافر کو زادراہ کے لیئے۔ (۴)۔ ایک دفعہ ایک بوریئے پر آرام فرما رہے تھے' اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی یارسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں۔ ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا تعلق مجھ کو دینا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ (۵)۔

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھڑی تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرور عالم ﷺ کے بیت قدس میں دنیاوی سازوسامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھری چارپائی بچھی ہے' سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا' عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں کیوں نہ روؤں' چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیان پڑ گئی ہیں' یہ آپ ﷺ کے اسباب کی کوٹھڑی ہے۔ اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے۔ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ ﷺ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ ﷺ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو۔ ارشاد ہوا۔ اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت۔ (۶)۔

مساوات ::

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب' صغیر و کبیر' آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ و

صہیبؓ و بلالؓ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت سلمانؓ و بلالؓ ایک موقع پر جمع تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان نکلے۔ ان لوگوں سے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا۔ سرداران قریش کی شان میں یہ الفاظ' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے' ان لوگوں نے کہا نہیں۔ خدا تم کو معاف کرے۔ (۷)۔

---

(۱)۔ شمائل ترمذی۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب اللباس۔ (۳)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ صفحہ ۱۰۸ (٤)۔ ابن ماجہ کتاب الزھد۔ (۵)۔ جامع ترمذی کتاب الزھد۔ (٦)۔ صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخیر الازواج۔ (۷)۔ صحیح مسلم فضائل سلمانؓ و صہیبؓ

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زیدؓ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت محبت رکھتے تھے۔ لوگوں نے ان کو شفیع بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسامہ! کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا۔ تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے' خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ سرقہ کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔ (۱)۔

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہو کر آئے تھے' قیدیوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا' بعض نیک دل انصار نے اس بناء پر وہ آپ ﷺ سے قرابت قریبہ رکھتے تھے' عرض کی کہ یارسول اللہ! اجازت دیجیے

کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرفدیہ معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔ (۲) مجلس میں جو چیزیں آتیں ہمیشہ داہنی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب' صغیر و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہ کا مجمع تھا' اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کم سن تھے بائیں جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے کہیں سے دودھ آیا' آپ ﷺ نے نوش فرما کر عبداللہ بن عباسؓ سے کہا تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔ انہوں نے عرض کی' اس عطیہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا۔ چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیب کی رو سے مجلس سے انہی کا حق تھا۔ آپ ﷺ نے انہی کو ترجیح (۳) دی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کا پانی مانگا۔ میں نے بکری کا دودھ پیش کیا۔ مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ بائیں جانب' حضرت عمرؓ سامنے اور ایک بدو داہنی جانب تھا۔ آپ ﷺ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے۔ یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بدو کو عنایت فرمایا۔ (۴)۔

قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت (۵)۔ سے پہلے اور بعثت کے (۶)۔ بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے' علاوہ بریں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ ﷺ کے لیئے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کے لیئے کوئی چھپڑ ڈال دیا جائے۔ صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا جو پہلے پہنچ جائے اس کا مقام ہے۔ (۷)۔

صحابہ جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے

ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے' مدینہ میں آ کر سب سے پہلا کام مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تھی۔ اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بہ نفس نفیس شریک تھے' خود اپنے دست مبارک سے اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے تھے' ہماری جانیں قربان آپ ﷺ کیوں زحمت

(۱)۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد کتاب الحدود۔ (۲)۔ صحیح بخاری باب فدا المشرکین۔ (۳)۔ صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰ (٤)۔ ابوداؤد کتاب المناسك۔ (٥)۔ ایضًا (٦)۔ مسند ابن حنبل ج ٦ صفحہ ۱۸۷ (۷)۔ صحیح بخاری باب الحجرہ و بناء المسجد۔

فرماتے ہیں' لیکن آپ ﷺ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے' آپ ﷺ بھی ایک ادنٰی مزدور کی طرح کام کر رہے تھے' یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہہ جم گئی تھی۔ (۱)۔

ایک سفر میں کھانا تیار نہ تھا' تمام صحابہ نے مل کر کھانا پکانے کا سامان کیا۔ لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا۔ جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ لیا۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے۔ فرمایا ہاں سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں۔ خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں میں ممتاز بنتا ہے۔ (۲)۔

غزوۂ بدر میں سواریوں کا انتظام بہت کم تھا' تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا' لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ہمراہ جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ سوار رہیں' حضور ﷺ کے بدلہ میں ہم پیادہ چلیں گے۔ ارشاد ہوتا کہ نہ تم

مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو اور نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔(۳)۔

تواضع ::

گھر کا کام کاج خود کرتے' کپڑوں میں پیوند لگاتے' گھر میں خود جھاڑو دیتے' دودھ دوہ لیتے' بازار سے سودا لاتے جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے (گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو عار نہ تھا' غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا۔(۴)۔) ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے' لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے' فرمایا کہ اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیئے نہ اٹھو۔(۵)۔غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے' مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بناء پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔(۶)۔

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا' لیکن نبوت کا رعب اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں' ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔(۷)۔

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے' میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آ گئے' آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ گئے۔کہ جگہ نکل آئے۔ایک بدو بھی مجلس میں شریک تھا۔اس نے کہا محمد ؐ یہ کیا طرز نشست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے' جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔(۸)۔

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۱)۔ صحیح بخاری باب غزوہ احزاب۔ (۲)۔ زرقانی ج ۳ صفحہ ۳۰۴ بحوالہ سیرت محب طبری' یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ھے۔ (۳)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۴۴۲ ومسند ابوداؤد طیالیسی۔ (۴)۔ شمائل ترمذی۔ (۵)۔ ابوداؤد و ابن ماجہ۔ (۶)۔ شمائل ترمذی۔ (۷)۔ مستدرک ج ۳ صفحہ ۴۸ علی شرح الشخین مکہ۔ (۸)۔ ابوداؤد کتاب الاطعمہ۔

ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا۔ اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند! آپ ﷺ نے فرمایا۔ لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو۔ شیطان تمہیں گرا نہ دے۔ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ ہوں' خدا کا بندہ اور اس کا رسول مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔ (۱)۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو خیر البیت (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم تھے۔ (۲)۔

عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس میں آئے تو عرض کی کہ حضورؐ ہمارے آقا (سید) ہیں' ارشاد فرمایا کہ "آقا خدا ہے۔" پھر ہم لوگوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں۔ ارشاد ہوا کہ بات کہو تو دیکھو لو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے۔ (۳)۔

مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتور تھا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد ﷺ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے۔ فرمایا جہاں کہو چل سکتا ہوں۔ وہ آپ ﷺ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی' آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دے (۴)۔ دیا۔ مخرمہؓ ایک صحابی تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کہیں سے چادر آئی ہیں اور وہ تقسیم فرما رہے ہیں' آؤ ہم بھی چلیں' آئے تو آپ ﷺ زنانہ میں تشریف لا چکے تھے' کہا آواز دو۔ انہوں نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ میں آنحضرت صلی

اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت میں ہے کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔(۴)۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کر رہے تھے' وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا' فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلو میں لے کر بدن میں مل لیتے' آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں۔ فرمایا۔ اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ جب باتیں کرے سچ بولے' جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے۔(۵)۔

ایک صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے' اثنائے گفتگو میں انہوں نے کہا۔ جو خدا چاہیئے اور جو آپ ﷺ چاہئیں ارشاد ہوا۔ تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہو کہ جو خدا تنہا چاہیئے۔(۶)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲٤۰ کتاب الانبیاء (۲)۔ ابو دائود کتاب النکاح باب حق الزواج علی المراہ۔ (۳)۔ صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح۔ (٤)۔ صحیح بخاری و مسلم باب صلوٰۃ الخسوف۔ (٥)۔ مشکوٰہ بحوالہ شعب الایمان بھیقی۔ (٦)۔ ادب الفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۷ مصر۔

شرم وحیاء ::

(صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم وحیاء کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا' کبھی کسی کے ساتھ بد زبانی نہیں کی' بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے' تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندہ وقہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے۔) بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوئی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے' چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں اور ممالک کی طرح شرم وحیاء کا بہت کم لحاظ تھا‘ ننگے نہانا عام بات تھی‘ حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے‘ آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام وعراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے۔ اس بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئیں‘ انہوں نے وطن پوچھا‘ بولیں حمص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہؓ نے کہا تم ہی وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں‘ بولیں کیا حمام کوئی بری چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی میں کپڑے اتارتی ہے۔ خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔ (۱)۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا‘ پھر مردوں کو پردوں کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتوں کے لیئے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرور نہ تھے۔ (۲)۔ لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیئے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے‘ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت کی‘ اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔ (۳)۔

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیئے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا‘ حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔ (۴)۔

اپنے ہاتھ سے کام کرنا ::

اگرچہ تمام صحابہ آپ ﷺ کے جان نثار خادموں میں داخل تھے‘ بایں ہمہ

آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ ابوسعید خدریؓ اور امام حسنؓ سے روایت ہے کہ کان یخدم نفسہ یعنی آپ ﷺ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگاتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے' دودھ دوھ لیتے تھے بازار سے سودا خرید لاتے تھے' جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے' ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے' اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے' اس کو چارہ دیتے' غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔ (۵)۔

(۱)۔ یہ تمام روایتیں ترغیب و ترھیب میں کتب حدیث کے حوالے سے منقول ھیں۔ (۲)۔ صحیح بخاری حدیث افک۔ (۳)۔ ابوداؤد ابن ماجہ۔ (٤)۔ شرح شفائے قاضی عیاض ج ۲ صفحہ ۱۱٦ (۵)۔ صحیح بخاری کتاب الادب اور باب مایکون الرجل فی مھنتہ اھل میں مجمل ھے' قاضی عیاض نے شفا متعدد حدیثوں سے لے کر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیئے ھیں' زرقانی نے ج ٤ صفحہ ۳۰٤ میں مسند احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ھے اور لکھا ھے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ھے۔

حضرت انسؓ بن مالک ایک دفعہ خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا' آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں۔ تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بکریوں کو داغ لگا رہے (۲)۔ تھے۔

ایک دفعہ مسجد نبوی ﷺ تشریف لے گئے' دیکھا تو مسجد میں کسی نے ناک صاف کی ہے' آپ ﷺ نے خود دست مبارک سے ایک کنکر لے کر اس کو کھرچ ڈالا اور آئندہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔ (۳)۔

آپ ﷺ جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پتھر اٹھا اٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ (۴)۔ مسجد قباء اور مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اور خندق کے کھودنے میں جس طرح عام مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے کام کیا۔ خود دست مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اول کے واقعات میں گزر چکی ہے۔ ایک سفر میں صحابہ نے بکری ذبح کی اور اس کو پکانے کے لیئے آپس میں کام بانٹ لیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جنگل سے لکڑی میں لاؤں گا۔ صحابہ نے تامل کیا تو فرمایا۔ میں امتیاز پسند نہیں کرتا۔ (۵)۔ ایک اور سفر میں آپ ﷺ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے خود اس کو درست کرنا چاہا۔ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! لائیے میں ٹانک دوں فرمایا۔ یہ تشخص پسندی ہے جو مجھے محبوب نہیں (۶)۔ ہے۔ دو صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں۔ ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے۔ جب کام ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے ہمارے لیئے دعائے خیر فرمائی۔ (۷)۔

دوسروں کے کام کر دینا ::

خبابؓ بن ارت ایک صحابی تھے' ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا۔ خبابؓ کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے۔ حبش سے جو مہمان آتے تھے صحابہ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گزاری کریں' لیکن آپ ﷺ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے اس لیئے میں خود ان کی خدمت گزاری کا فرض انجام دونگا۔ کفار ثقیف جنہوں نے طائف میں آپ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا۔ ۹ھ میں وفد لے کر

آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی ﷺ میں اتارا اور بہ نفس نفیس ان کی مہمانی کے فرائض ادا کیئے۔

مدینہ کی لونڈیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں۔ یا رسول اللہ میرا یہ کام ہے۔ آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ مدینہ میں ایک پاگل لونڈی تھی' وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہیئے بیٹھ میں تیرا کام کر دوں

---

(۱)۔ یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ھیں' پہلی روایت کتاب الادب میں اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان میں ھے۔ (۲)۔ سنن نسائی فی کتاب المساجد۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب الجاھلیتہ۔ (٤)۔ زرقانی ج ٤ صفحہ ۳۰٤ بحوالہ سیرت محبوب طبری۔ (٥)۔ ایضاً بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لابی الیمن ابن عساکر۔ (٦)۔ مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ٤٦٩

گا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی۔ عبداللہ بن ابی اوفی ایک صحابی ہیں' وہ فرماتے ہیں:

ولا یانف ان یمشی مع الارملۃ والمسکین فیقضی لہ الحاجۃ۔ (نسائی و دارمی)

بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ ﷺ کو عار نہ تھا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیئے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر بولا۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں بھول جاؤں پہلے اس کو کر دو' آپ ﷺ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی۔ (۲)۔

عزم واستقلال ::

خدا نے قرآن مجید میں اولوالعزم من الرسل کہہ کر انبیائے کبار کی مدح فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ خاتم الرسل تھے اس لیئے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں وودیعت کیا تھا۔ ابتداء سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے بے یار و مددگار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے، لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذات اقدس جبن ویاس سے آشنا نہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن آتا ہے جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثاروں کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے، ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر خدمت مبارک میں عرض کہ آپ ﷺ ہمارے لیئے کیوں دعا نہیں فرماتے آپ ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا' ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھی۔ خدا کی قسم! دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ (۳)۔

مکہ میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی' ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگانے کے لیئے کافی تھی، لیکن

آپ ﷺ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم و استقلال کا آخری امتحان تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے جواب میں جو فقرے فرمائے عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔"

(ابن ہشام)

---

(۱)۔ مسلم اور ابوداؤد اخلاق و آداب۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الادب و بخاری کتاب صلوۃ مختصراً۔ (۳)۔ صحیح بخاری ج ۱ باب مالقی النبی ﷺ

غزوۂ بدر میں جب تین سو بے سروسامان مسلم' ایک ہزار سازوسامان فوج سے معرکہ آراء تھے۔ کفار قریش اپنے زور و کثرت سے بھرے آئے تھے۔ اس وقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں آ جاتے تھے اور بایں ہمہ نبوت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔ (۱)۔

غزوۂ احد میں آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی' لیکن جب آپ ﷺ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہ نے رک جانے کا مشورہ دیا آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پیغمبر زرہ پہن کر اتار نہیں سکتا۔ (۲)۔ غزوۂ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی تو اکثر صحابہ کے قدم اکھڑ گئے' لیکن آپ ﷺ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں جمے رہے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔"

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب (۳)۔

میں پیغمبر صادق ہوں' میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔

ایک بار آپ ﷺ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے' ایک کافر آیا

اور اسی حالت خواب میں تلوار کھینچ کر بولا۔ محمدﷺ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا۔ ''خدا۔'' اس عزم و استقلال اور جرات صادقہ نے اس قدر مرعوب کر دیا کہ فوراً اس نے تلوار میان میں کر لی اور پاس بیٹھ گیا۔

شجاعت ::

یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم و استقلال' حق گوئی' راست گفتاری پر دلی' یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سینکڑوں مصائب وخطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوۂ بدر میں گھمسان کی لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے' حضرت علیؑ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیئے کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپﷺ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپﷺ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ (۵)۔

غزوۂ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج دفعتاً میدان سے ہٹ گئی' لیکن آپﷺ مع چند جاں نثاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے۔ اس وقت بار بار آپﷺ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے لیکن جان نثار مانع آتے تھے' اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپﷺ کی ذات تھی۔ بایں ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوتی۔ حضرت براءؓ جو اس معرکہ میں شریک تھے کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا ہاں یہ سچ ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرتﷺ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے۔ خدا کی قسم! جب لڑائی پورے زور پر

ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ﷺ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے' ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوتا (۱)۔ تھا۔

---

(۱)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۲۶ (۲)۔ بخاری ج ۲ ص ۱۰۹ باب قول اللہ و امرھم شوری بینھم (۳)۔ صحیح بخاری حنین (٤)۔ بخاری ج۲ ص ۵۹۳ غزوہ ذات الرقاع (۵)۔ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱٤٦ (٦)۔ صحیح مسلم غزوہ حنین

حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ گئے' لوگ مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت ﷺ تھے' جلدی میں آپ ﷺ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے' گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ ﷺ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ (۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا' ابی بن حلف آپ ﷺ کا سخت دشمن تھا' بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا۔ "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلاتا ہوں' اسی پر چڑھ کر محمد ﷺ کو قتل کروں گا" احد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیرتا ہوں آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں' آپ ﷺ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ ﷺ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں انی چبھو دی' وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا' لوگوں نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہیں تم اس قدر خوف زدہ کیوں ہو۔ اس نے کہا ہاں سچ ہے' لیکن یہ محمد ﷺ کے ہاتھ کا زخم ہے۔ (۲)۔

راست گفتاری ::

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی

منفک نہیں ہوسکتا' اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی' لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتوں کو قلمبند کرنا چاہتے ہیں جو دشمنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جو لوگ آپ ﷺ سے واقف تھے انہوں نے آپ ﷺ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کے حواس درست نہیں یا آپ کی عقل نہیں بجا رہی ہے یا کہ ان میں اب شاعرانہ تخیل پرتی آ گئی ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے آپ ﷺ کو مجنوں کہا' مسحور کہا' شاعر کہا' لیکن کاذب نہیں کیا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے روسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا' کہا اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے' اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے محمد ﷺ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا۔ وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ' صادق القول اور امین تھا اب جب اس کے بالوں میں سپیدی آ چکی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے' کاہن ہے شاعر ہے' مجنوں ہے۔ خدا کی قسم! میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ محمد ﷺ میں یہ کوئی بات نہیں' تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے۔ (۳)۔ ابوجہل کہا کرتا تھا محمد ﷺ میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا' البتہ جو کچھ کہتے ہو ان کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔ (۴)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کے متفرق ابواب میں یہ حدیث ہے۔ مثلاً باب الشجاعت فی الحراب و باب لغافرعوا بالملیل۔ (۲)۔ شرح شفا قاضی ج ۲ صفحہ ۶٤ بحوالہ بیہقی بسند صحیح عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی۔ (۳)۔ ابن ہشام۔ (٤)۔ جامع ترمذی تفسیر انعام۔

قد نعلم انه ليحزنك الذی يقولون فانهم لا

یکذبونك ولکن الظلمین بایات اللہ یجحدون ۔(انعام: ۴)

ہم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر ان کافروں کی باتیں تم کو غمگین کرتی ہیں کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے' البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش گاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ ﷺ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا "ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔(۱)۔

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدعی پیدا ہوا ہے اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا۔ ابوسفیان نے کہا نہیں' آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں' مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز (۲)۔ رہتا۔

ایفائے عہد ::

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے' چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ ﷺ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کیئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ "نہیں (۳)"۔ وحشی' جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر کیا تھا' اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیئے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ

سے انتقام نہ لیا جائے' لیکن خود دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ' محمد ﷺ سفراء کو قتل نہیں کرتے' چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔(۴)۔صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے۔عمیر عمامۂ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تم کو امان ہے جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ (۵)۔ہے۔

ابورافع ایک غلام تھے' حالات کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کر مدینہ منورآئے روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگزین ہوگئی' عرض کی یا رسول اللہ اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا۔ارشاد ہوا' نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں تم اس وقت واپس جاؤ' وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا۔ چنانچہ وہ اس وقت واپس گئے پھر اسلام لائے۔(۶)۔

---

(۱)۔صحیح بخاری تفسیر سورئہ تبت۔ (۲)۔صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ (۳)۔ایضًا۔ (٤)۔صحیح بخاری غزوہ احد۔ (۵)۔ابن ھشام۔ (٦)۔ابوداؤد باب الوفاء بالعھد۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔عین اس وقت جب معاہدہ کی شرطیں زیر تحریر تھیں' ابوجندلؓ پابہ زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریادی ہوئے۔تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باطمینان تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

''اے ابوجندل صبر کرو! ہم بدعہدی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیئے کوئی راستہ نکالے گا۔(۲)۔''

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی العمساء نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں۔ اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا۔ تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا' میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ (۳)۔

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی' ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیئے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے' لیکن آپ ؐ نے اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے' حذیفہؓ بن الیمان اور ابوحسلؓ دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے' راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جا رہے ہو' انہوں نے انکار کیا۔ آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی' فرمایا تم دونوں واپس جاؤ' ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (۴)۔

زہد و قناعت ::

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے' پیغمبر تھے۔ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیر نگین ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو پر گروی تھی' جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے' یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا اور مدینہ کی

سرزمین میں زروسیم کا سیلاب آچکا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی مہمات فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رھبانیۃ ابتدعوھا اس بناء پر آپ ﷺ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیئے ہیں لیکن اصلی میلان طبع زخارف دینوی سے اجتناب تھا۔ فرمایا کرتے 'فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیئے گھر، ستر پوشی کے لیئے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیئے روکھی سوکھی روٹی اور (۵)۔ پانی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ولا یطوی لہ ثوب کبھی آپ ﷺ کا کوئی کپڑا تہہ کرکے نہیں رکھا گیا۔ یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کرکے رکھا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ ﷺ کسی طرف سے آ گئے۔ پوچھا کیا شغل ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کی، دیوار کی مرمت کر رہا ہوں، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہاں (۱)۔؟

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الشروط آخری فقرے ابن ھشام میں ھیں۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الادب۔ (۳)۔ صحیح مسلم باب الوفاء بالعھد ج ۲ صفحہ ۸۹ (۴)۔ جامع ترمذی ابواب الزھد۔ (۵)۔ ابن ماجہ کتاب اللباس۔

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ ﷺ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا۔ (۱)۔

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویا ھو واھلہ لا یجدون عشاء۔

آپ ﷺ اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب

یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن زبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گزارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تو پی لیتے تھے۔ (۲)۔ آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ (۳)۔ میدہ جس کو عرب میں جواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں۔ بولے نہیں' لوگوں نے پھر پوچھا کہ آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ (۴)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ ﷺ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ (۵)۔

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر میں محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ بظاہر روایات مذکور بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں' بے شبہ آپ ﷺ بقدر نفقہ آمدنی میں سے لے لیتے۔ باقی فقراء اور اہل حاجت کو دیتے تھے' لیکن آپ ﷺ نے اپنے لیئے جو رکھ لیتے تھے۔ وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہو جاتا تھا۔ احادیث میں آپ ﷺ کی فاقہ کشی اور تنگ دستی کے واقعات نہایت کثرت سے موجود ہیں' چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں' آپ ﷺ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا' مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ (۶)۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ

آپ ﷺ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔(۷)۔

حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔(۸)۔

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپ ﷺ نے شکم کھولا تو ایک کی بجائے دو دو پتھر تھے۔(۹)۔

---

(۱)۔ جامع ترمذی معیشتہ النبیؐ۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق۔ (۳)۔ ایضاً۔ (۴)۔ شمائل۔ (۵)۔ ایضاً۔ (۶)۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر و صحیح بخاری صفحہ ۵۳۵۔ (۷)۔ صحیح مسلم صفحہ ۱۹۳ (۸)۔ ایضاً۔ (۹)۔ ایضاً۔

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہ آپ ﷺ کی حالت سمجھ جاتے تھے۔ ایک دن ابوطلحہ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے، میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ ان کی آواز کمزور ہوگئی ہے۔ (۱)۔

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں ملے یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بے تاب تھے، آپ ﷺ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر آئے ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کیلئے دودھ مہیا رکھتے تھے آج آپ ﷺ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو پلا دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی "حضور کا آنا مبارک۔" آپ ﷺ نے پوچھا ابوایوبؓ کہاں ہیں؟ نخلستان پاس ہی تھا۔ وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور

مرحبا کہہ کر عرض کی۔ یہ حضور ﷺ کے آنے کا وقت نہیں۔ آپ ﷺ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کراتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہؑ کو بھجوا دو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔ پھر خود صحابہ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہو گا وہ یہی چیزیں ہیں۔(۲)۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو ازواج مطہراتؓ کے پاس آتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کرتی نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔(۳)۔

عفو و حلم ::

ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ بجز اس صورت کے اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔(۴)۔

جنگ احد کی شکست سے زیادہ روسائے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی۔(۵)۔ تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف میں جب ایک منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برساتے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انہیں سمجھ عطا کر اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۹ھ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ ﷺ نے ان کو صحن مسجد میں مہمان اتارا اور عزت اور حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔

قریش نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں۔ مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اقدس پر نجاستیں ڈالیں گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل،

---

(۱)۔ صحیح مسلم صفحہ ۱۹۱ (۲)۔ ترغیب و ترہیب ج ۲ صفحہ ۷۵ (یہ واقعہ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۵۰ میں بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے۔) (۳)۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲ صفحہ ۴۹ (۴)۔ صحیح بخاری ج ۴ صفحہ ۹۰۴ کتاب الادب۔ (۵)۔ صحیح بخاری بداء الخلق۔ (۶)۔ ابوداؤد ذکر طائف و مسند ابن حنبل ج ۴ صفحہ ۲۱۹

کبھی شاعر، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے۔ تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذی الحجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ لوگو اِلہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے پیچھے پیچھے ابوجہل تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا۔ لوگوں اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کردیں۔ یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)

سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جبکہ منافقین نے حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین ازواج اور ابوبکرؓ جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں، شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شماتت ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح، یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیانہ میں نہیں سما سکتیں۔ تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمام تر

بانی رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی تھا اور آپ ﷺ کو اس کا بخوبی علم تھا' بایں ہمہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا۔ مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے؟ حضرت سعدؓ بن معاذ غصہ سے بے تاب ہو گئے اور اٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لیئے حاضر ہوں' آپ ﷺ نام بتائیں تو اس کا سر اڑا دوں۔ سعدؓ بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے' مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے' قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں' آپ ﷺ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔ واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کردی اور تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی۔ تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیئے شرعی شہادت موجود نہ تھی' تہمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی' ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے' ان کی معاش کے کفیل حضرت ابوبکرؓ تھے۔ تہمت لگانے کے جرم میں حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کردیا' اس پر آیت اتری:

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحو الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم۔ (نور)

تم میں سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدور ہیں ان کو یہ قسم نہیں کھانا چاہیئے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں سے سلوک نہ کریں گے تم کو عفو اور درگزر سے کام لینا چاہیئے کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو بخش دے' خدا غفور رحیم ہے۔

اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بدستور جاری کردیا۔

تہمت لگانے والوں میں (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا‘ لیکن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا کہ یہ حسانؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔(۱)۔

مدینہ کے منافق یہودیوں میں سے لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر سحر کیا‘ تاہم آپ ﷺ نے کچھ تعارض نہ فرمایا‘ (حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا‘ میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرنا چاہتا۔(۲)۔)

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے‘ لین دین کا کاروبار کرتے تھے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا۔ میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے‘ تقاضے کو آئے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا۔ عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یونہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے‘ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا او دشمن خدا تو رسول اللہ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر! تم سے کچھ اور امید تھی اس کو سمجھانا چاہیئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے یہ کہنا چاہیئے کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دے دو۔(۳)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا‘ پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہو جاتا۔ اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا‘ اس گستاخ نے کہا

میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یونہی اڑا لیں اور دام نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ "وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔(۴)۔"

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی' آپ ﷺ رک گئے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا "صبر کرو۔" وہ آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی۔ (گستاخی کے ساتھ بولی) ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے؟ آپ چلے آئے' لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا' وہ رسول اللہ تھے۔ دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضور کو پہچانتی نہ تھی۔ ارشاد فرمایا۔ صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔(۵)۔

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے' آپ ﷺ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے راہ میں ایک جلسہ تھا۔ آپ ﷺ ٹھہر گئے۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا۔ وہ بھی جلسہ میں موجود تھا۔ آپ ﷺ کی سواری کی گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب پہنچے تو اس نے کہا محمد ﷺ اپنا گدھا ہٹاؤ۔ تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سلام کیا' پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی۔ عبداللہ بن ابی نے کہا۔ ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ ستاؤ۔ جو شخص خود تمہارے پاس آئے اس کو تعلیم دو۔ عبداللہ بن رواحہ جو مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے کہا۔ آپ ﷺ ضرور تشریف لایئے۔ بات بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا

---

(۱)۔ صحیح بخاری قصہ افک۔ (۲)۔ صحیح بخاری صفحہ ۹۰۴
(۳)۔ یہ روایت بیہقی' ابن حبان' طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (شرح شفاء از شہاب خفاجی) (۴)۔ جامع ترمذی کتاب البیوع۔ (۵)۔ بخاری کتاب الجنائز۔

تلواریں نکل آتیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ جلسہ سے اٹھ کر آپ ﷺ سعدؓ بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا، تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں۔ سعدؓ بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ ﷺ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیئے ریاست کا تاج تیار کر لیا (۱)۔ تھا۔

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیئے نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا۔ خدا موسیٰ پر رحم کرے ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا (۲)۔ تھا۔

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس میں آیا، آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ اداب مسجد سے واقف نہ تھا۔ وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جانے دو اور پانی کا ایک ڈول بہا دو، خدا نے تم کو لوگوں کو دشواری کے لیئے نہیں بلکہ آسانی کے لیئے بھیجا ہے۔ (۳)۔

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو کسی کام کے لیئے بھیجنا چاہا میں نے کہا نہ جاؤں گا۔ آپ ﷺ چپ رہ گئے میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ دفعتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے آ کر میری گردن پکڑ لی، میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے ہیں۔ پھر پیار سے فرمایا ''انسؓ! جس کام کے لیئے کہا تھا، اب تو جاؤ'' میں نے عرض کی اچھا جاتا ہوں، انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ ﷺ کی ملازمت کی کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔ (۴)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے سامنے مسجد میں بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے،

ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے' ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن سرخ ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا' بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے' تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو' تب غلہ دیا جائے گا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ خدا کی قسم! میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔

(قریش نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے' برا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ ﷺ کو محمد ﷺ (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے' لیکن آپ ﷺ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے رہیں اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ﷺ ہوں۔ (۶)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۸۴۶ (۲)۔ ایضاً غزوۂ حنین صفحہ ۴۲۰ (۳)۔ ایضاً صفحہ ۳۵۔ (۴)۔ صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب۔ (۵)۔ ابوداؤد کتاب الادب یہی واقعہ حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں مروی ہے بتغیر یسر۔ (۶)۔ مشکوٰۃ باب اسماء النبی ﷺ۔

جس زمانہ میں آپ ﷺ فتح مکہ کے لیئے تیاریاں کر رہے تھے' اس بات کی خاص احتیاط فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو' حاطب بن بلتعہ ایک صحابی تھے۔ انہوں نے چاہا کہ قریش کو اسکی اطلاع کر دیں۔ چنانچہ ایک خط لکھ کر انہوں نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ آپ ﷺ کو اسکی خبر ہوگئی۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اسی وقت بھیجے گئے۔ جو قاصد کو مع خط کے گرفتار کر لائے۔ حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور معذرت چاہی۔ یہ موقع تھا کہ ہر سیاستدان مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا' لیکن

آنحضرت ﷺ نے اس لیئے انکو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے بدر میں تھے' عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔(۱)۔ حالانکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا' ابوسفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا' ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو قتل کا حکم دیا' لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے۔ جب انصار کے ایک محلّہ میں پہنچا تو بولا کہ میں مسلمان ہوں' ایک انصاری نے آ کر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم انہی پر چھوڑتے ہیں ان میں سے ایک فرات بن حیان ہے۔ (۲)۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یمامہ میں ایک زمین عنایت فرمائی۔ جس کی آمدنی ۴۲۰۰ تھی۔(۳)۔

دشمنوں سے عفوو درگزر اور حسن سلوک ::

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب' نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے' لیکن حامل وحی ونبوت اقدس میں یہ جنس فراواں تھی' دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے' لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریمی بن جاتی ہے تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جب کہ وہ کینہ خوا سامنے آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ ﷺ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں' لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا' مکہ میں رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔ طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا' اور وحشی کے لیئے یہ بھی مامن نہ رہا' لیکن اس نے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے۔ ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

(۱)۔ صحیح بخاری فتح مکہ۔ (۲)۔ ابوداؤد کتاب الجھاد باب الخاسرس الذمی' یہ حدیث سفیان ثوریؒ نے واسطہ سے دو طریقوں سے مروی ہے' ایک میں ابوھمام الدلائل ہے اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے' یہ طریق ضعیف ہے' دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہے۔ جو صحیح ہے امام احمد نے بھی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے۔ (۳)۔ اصابہ ترجمہ فرات مذکور۔

وسلم نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔(۱)۔

ہند ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کیئے' فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت ﷺ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کر لے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی' آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہند اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی۔ یارسول اللہ! آپ ﷺ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ میری نگاہ میں نہ تھا' لیکن آج آپ ﷺ کے خیمہ سے کوئی محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔(۲)۔

عکرمہ' دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے' فتح مکہ کے وقت بھاگ کر یمن چلے گئے' ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی' وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی' اور ان کو مسلمان کیا اور خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی (۳)۔ اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

مرحبا بالراکب المھاجر۔ (۴)۔

اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔

صفوان بن امیہ قریش کے روسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے' ان ہی نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر مامور کیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں' عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! صفوان ابن امیہ نے اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں' ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے' مکرر عرض کی یارسول اللہ! امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایئے جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے۔ آپ ﷺ نے عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے صفوان نے کہا مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے' عمیر نے جواب دیا' صفوان! ابھی تمہیں محمد ﷺ کے حلم وعفو کا حال معلوم نہیں' یہ سن کر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمیر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دیا ہے؟ فرمایا سچ ہے۔ صفوان نے کہا تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو۔ ارشاد ہوا کہ دو نہیں تم کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ بہ

تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔ حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی۔ ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا، جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب ہوا تھا اور اس بناء پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل میں داخل تھا۔ چاہا کہ بھاگ کر

(۱)۔ صحیح بخاری قتل حمزہ۔ (۲)۔ صحیح بخاری ذکر ھند۔
(۳)۔ موطا امام مالک کتاب النکاح۔ (٤)۔ مشکوہ کتاب الادب بحوالہ ترمذی۔

ایران چلا جائے کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضورﷺ کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپﷺ کو جو خبریں پہنچی تھیں وہ صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے۔ اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں، دفعتًا باب رحمت وا تھا اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔(۱)۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزوات نبویﷺ کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں۔ ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپﷺ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمرؓ نے جو گذشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن آپﷺ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا۔ فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف

(۲)۔ہوگا۔کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا۔اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنو حنیفہ کا قبیلہ تھا' جس میں مسیلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا۔ثمامہ بن آثال اس قبیلہ کے رؤسا میں تھا۔اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا' گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے۔اس کے بعد آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا اے محمد ﷺ اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکرگزار پر احسان ہو گا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو تم مانگو میں دوں گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے' دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی۔تیسرے دن بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو'ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کی یا رسول اللہ دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپ ﷺ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں' کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور وہی پسندیدہ ہے۔

قریش کی ستم گری وجفا گری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں' یاد ہو گا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے دردان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے' لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا

سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا یمامہ کے رئیس بھی ثمامہ بن آثال تھے' مسلمان ہوکر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا'

(۱)۔ ابن اسحاق و اصابہ ذکر ھبار۔ (۲)۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری۔

انہوں نے غصہ سے کہا خدا کی قسم! اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضور ﷺ کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو پھر حسب دستور غلہ جانے لگا۔ (۱)۔

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ ::

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن سلوک کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ مؤرخین یورپ مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لیئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جب کہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔

ابو بصرہ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر مہمان رہے۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے' لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا' رات بھر تمام اہل بیت نبوی ﷺ بھوکا (۲)۔ رہا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ شب کو ایک کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا وہ پی گیا' پھر دوسری بکری دوہی گئی' وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا پھر تیسری پھر چوتھی' یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور دودھ سب پیتا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی تعرض ظاہر نہ فرمایا۔ شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہوگیا۔ (۳)۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں۔ اعانت خواہ مدینہ حضرت اسماءؓ کے پاس آئیں۔ ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے ساتھ نیکی کرو۔ (۴)۔ حضرت ابوہرہؓ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں' جہالت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتی تھیں۔ ابوہریرہؓ نے خدمت اقدس میں عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے غیظ وغضب کے دعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے۔ (۵)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا' روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا' ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کیا کرتے۔ ایک دفعہ بازار جارہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا' ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کیا۔ ایک دن اذان دینے کے لیئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا۔ اور ان سے کہا۔ او حبشی! انہوں نے بدتہذیبی کے جواب میں لبیک کہا۔ بولا کچھ خبر ہے' وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑ دوں گا۔ یہ عشاء پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

---

(۱)۔ ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری میں ص ۶۲۷ باب وفد بنی حنیفہ میں ہے۔ آخری ٹکڑا ابن ہشام میں مذکور ہے۔ (۲)۔ مسند ابن حنبل ج ۶ صفحہ ۳۹۰ (۳)۔ جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی میا واحدہ۔ (۴)۔ صحیح بخاری باب صلتہ الوالد المشرک۔ (۵)۔ صحیح بخاری۔

وسلم کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا خزانہ میں کچھ نہیں ہے' کل وہ

مشترک آ کر مجھ کو فضیحت کرے گا۔ اس لیئے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں' پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آ جاؤں گا۔ غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامان سفر یعنی تھیلا' جوتی' ڈھال سر کے نیچے رکھ لی' صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا ہے' یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' مبارک ہو یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں' انہوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد نبوی ﷺ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔ (۱)۔

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے جو ہجرت کا ساتواں سال ہے' حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ حضرت بلالؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں' آنحضرت ﷺ یہ باتیں سنتے ہیں' لیکن مشترک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے' نہ بلالؓ کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے اتفاق سے غلہ آ جاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اسکی بدزبانی اور سخت گیری سے درگزر کیا جاتا ہے۔ یہ حلم' یہ عفو' یہ تحمل رحمت عالم ﷺ کے سوا کس سے ہو سکتا ہے؟

سب نے مشکل معاملہ منافقین کا تھا' یہ کنار کا ایک گروہ تھا جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرماں روا بنا دیا جائے' جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا' لیکن دل سے کافر تھا۔ اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی۔ یہ لوگ

در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے' ان کو مسلمان کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے' بایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے' جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے' لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں' اس لیئے آپ ﷺ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا' لیکن فیاض دلی اور عفوو حلم کے اقتضائے سے آپ ﷺ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا' انصاری نے کہا للانصار (یعنی انصار کی دہائی) مہاجر نے بھی مہاجر کی دہائی دی۔قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں۔ دونوں رک گئے۔ عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا۔مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا۔ساتھیوں نے کہا آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو۔یہ خود تباہ ہو جائیں گے۔چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے:

---

(۱)۔ابو دائود جلد ۲ باب قبول ھدایا' المشرکین۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا (منافقون)

یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔

یقولون لئن رجعنا الی المدینہت لیخرجن الاعز منھا الاذل (منافقون)

کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے' اس نے صاف انکار کیا' حضرت عمرؓ موجود تھے' بولے یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں' آپ ﷺ نے فرمایا لوگ چرچا کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔(۱)۔ جنگ احد میں عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا' جس سے مسلمانوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر فرمایا (اور جب وہ مرا تو اس احسان کے معاوضہ میں حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتا دیا تھا۔ مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا قمیض مبارک اس کو پہنا کر دفن کیا۔(۱)۔)

یہود ونصاری کے ساتھ برتاؤ ::

خلق عمیم میں کافر ومسلم' دوست ودشمن' عزیز وبیگانہ کی تمیز نہ تھی' ابر رحمت دشت وچمن پر یکساں برستا تھا (یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے' لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا' آپ ﷺ ان میں ان ہی کی تقلید فرماتے۔(۲)۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے۔ ان سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا اور واقعہ عرض کیا' آپ ﷺ نے ان صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی۔(۳)۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا' گویا باپ کی رضامندی دریافت کی۔اس نے کہا کہ' آپ ﷺ جو فرماتے ہیں اس کو بجالاؤ۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔(۴)۔ایک دفعہ سر راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔(۵)۔

ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے اسلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا' حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آکر ان کو بھی سخت جواب دیا' لیکن آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا۔ عائشہؓ! بدزبان نہ بنو! نرمی کرو' اللہ تعالٰی ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے۔(۶)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ منافقون۔ (۲)۔ بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے منقول ہے۔ (۳)۔ صحیح بخاری۔ (٤)۔ ایضًا۔ (٥)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔ (٦)۔ صحیح مسلم کتاب الادب ج ۲ صفحہ ۲۳۹ مصر۔

یہودیوں کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے' ان کے سخت و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے' یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں۔ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمد ﷺ دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے۔آپ ﷺ نے اس مسلمان کو اس وقت بلوا کر زجر فرمایا' نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی مہمانداری کی' مسجد نبوی ﷺ میں ان کو جگہ دی' بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی' اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

یہودی ونصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے۔ نکاح ومعاشرت کی اجازت تھی اوران کے لیے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ میں جاری فرمائے۔

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت ::

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اورغریب بھی' دولت مند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا بلکہ غریبوں کے ساتھ آپ ﷺ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی' ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ ﷺ کا ایک فعل اس کے خلاف ہواتو بارگاہ احدیت سے اس پر بازپرس ہوئی مکہ کاواقعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذوراور غریب تھے' ادھر آنکلے اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ ﷺ سے باتیں کرنے لگے' روسائے قریش چونکہ سخت متکبر اورفخار تھے۔ان کو یہ برابری ناگوار گزری آپ ﷺ نے ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہیں فرمائی اوراس امید پر ان ہی سے باتیں کرتے رہے کہ شاید اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کرلیں اوران کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں' لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری: (٦)۔

عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی وما یدریك لعلہ' یزکی او یذکر فتنفعه الذکری اما من استغنی فانت له تصدی وما علیك الا یزکی واما من جاء ك یسعی وھو یخشی فانت عنه تلھی کلا انھا تذکرہت فمن شاء ذکرہ۔ (عبس)

پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا (اے پیغمبر) تجھے کیا خبر کہ تیری باتوں سے وہ پاک ہوجاتا

یا نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک وصاف نہ بنے اور تیرے پاس دوڑا آتا اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے تو تو اس سے بے اعتنائی کرتا ہے نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت نامہ ہے جو چاہیئے اس کو قبول کرے۔

(۱)۔ زادا المعاد۔ (۲)۔ ترملذی تفسیر سورتہ عبس۔ (۳)۔ مشکوٰہ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم۔

یہی غرباء اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو روسائے قریش ان کی ظاہری بے حیثیتی کو دیکھ کر استہزاء کہتے تھے۔

اھولاء من اللہ علیہ من بیننا۔

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

لیکن آپ ﷺ ان کے اس استہزاء کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مزاج میں کسی قدر تعلی تھی اور وہ اپنے آپ ﷺ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف خطاب کرکے فرمایا۔ تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ ان ہی غریبوں کی بدولت آتی ہے۔ (۱)۔ اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا۔ میں نے در جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب مفلس ہی لوگ اس میں داخل ہیں۔ (۲)۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس اثناء میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے' یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ فقرائے مہاجرین

باب الفقراء بروایت ترمذی و ابن ماجہ۔

ایک دفعہ غریب مسلمانوں نے آ کر خدمت اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ! امراءہم سے درجہ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں‘نماز‘روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں‘وہ بھی کرتے ہیں‘لیکن صدقات وخیرات سے جونیکیاں ان کوملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس سے تم اگلوں کے برابر ہو جاؤ اور پچھلوں سے بڑھ جاؤ اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے‘عرض کی ہاں یارسول اللہ! بتایئے؟ارشاد ہوا۔ہر نماز کے بعد ۳۳‘۳۳ دفعہ سبحان اللہ‘ الحمدللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء یعنی خدا کی دین ہے۔جس کو چاہیے دے۔(۴)۔مسلمانوں سے جو زکوۃ وصول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا کہ:

توخذ امرائھم وترد علی فقرائھم۔

ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراء سے لیکر وہیں کے غرباء میں تقسیم کر دی جائے۔

صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ نہیں بھیجتے تھے۔(۱)۔

مساوات کے بیان میں یہ واقعہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے۔ ڈانٹا آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کو آزردہ تو نہیں کیا؟یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی مانگی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوالی میں ایک عورت رہتی تھی وہ بیمار پڑی اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی‘خیال تھا

کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی' آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا' اس کے بعد دفن کی جائے اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا۔اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لایا گیا تو آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے صحابہ نے اس وقت آپ ﷺ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھی اور رات ہی کو دفن کر دیا' صبح کو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا لوگوں نے واقعہ عرض کیا۔آپ ﷺ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو ساتھ لے کر دوبارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جناہ ادا کی۔(۲)۔

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پہر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر وار حاضر خدمت ہوا' ان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا' برہنہ تن' برہنہ پا کھالیں بدن سے بندی ہوئی تلواریں گلوں میں پڑی ہوئی' ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ بے حد متاثر ہوئے' چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا' اضطراب میں آپ ﷺ اندر گئے باہر آئے۔پھر حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا' نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کیلئے آمادہ کیا۔(۳)۔

---

(۱)۔صحیح بخاری و مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ۔
(۲)۔ابوداؤد زکوۃ۔ (۳)۔یہ واقعہ بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ اللیل سے لیا گیا ہے۔ (٤)۔
صحیح مسلم صدقات۔

دشمنان جان سے عفو و درگزر ::

جان دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی ہے۔کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد ﷺ کا سر قلم کر دیا جائے اس لیئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کیئے کھڑا رہا۔اگرچہ اس وقت دشمنوں

سے انتقام لینے کی آپ ﷺ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم و کرم پر موقوف تھی لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد ﷺ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لیئے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچے' آخر دو تین دفعہ کرشمہ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان لکھ دی جائے۔ چنانچہ سند امان لکھ کر ان کو دی گئی۔ (۱)۔ اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ (۲)۔

عمیر بن وہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ مقتولین بدر کے انتقام کے لیئے جب سارا قریش بے تاب تھا تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دے' عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینہ آیا' لیکن وہاں پہنچے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا' حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہئی' لیکن آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصلی راز ظاہر کر دیا۔ یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا' لیکن آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جا کر دعوت اسلام پھیلائی۔ یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ (۳)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے' راہ میں ایک میدان آیا' دھوپ تیز تھی' لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگا

دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا' تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی۔ کفار موقع کے منتظر رہتے تھے۔ لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بے خبری میں تلوار اتار لی۔ دفعتاً آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سرہانے کھڑا ہے اور ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ﷺ کو بیدار دیکھ کر بولا۔ کیوں محمد ﷺ اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ" یہ پر اثر آواز سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ اتنے میں صحابہ آ گئے' آپ ﷺ نے ان سے واقعہ دہرایا اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہیں فرمایا۔ (۴)۔ ایک دفعہ ایک اور شخص نے

(۱)۔ صحیح بخاری باب الهجره۔ (۲)۔ سراقه بن مالك بن جعشم مدیحی کا حال استیعاب و اصابه وغیره میں دیکھو۔ (۳)۔ تاریخ طبری بروایت عروه بن زهیر۔ (٤)۔ صحیح بخاری کتاب الجهاد صفحه ۲۰۸۔

آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا' صحابہ اس کو گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لائے۔ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ڈرنہیں' اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے بھی تو نہیں کر سکتے تھے۔ (۱)۔

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا' اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا' قرآن مجید میں یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (۲)۔

وهو الذی کف ایدیهم عنکم و ایدیکم عنهم (فتح)

اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لیئے۔

خیبر میں ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے میں زہر دیا۔

آپ ﷺ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا۔ آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا' لیکن آپ ﷺ نے کسی سے کچھ تعرض نہیں فرمایا' لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ ﷺ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا۔(۳)۔)

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر ::

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے' جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو ان کے تشنہ خون ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں' ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے' اس داستان کے دہرانے کے لیئے بھی سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانہ میں خبابؓ بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ (۴)۔ ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا میں دنیا کے لیئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔(۵)۔

وہ قریش جنہوں نے تین برس تک آپ ﷺ کو محصور رکھا اور جو آپ ﷺ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار تھے ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی ﷺ کی استجابت نے ابر رحمت کا سایہ ان کے سر سے اٹھالیا اور مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے۔ ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی محمد " تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے' خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو۔ آپ ﷺ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔(۶)۔

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے' تیر برسائے' تلواریں چلائیں۔ دندان مبارک کو شہید کیا' جبین اقدس کو خون آلود کیا' لیکن ان حملوں کا اور آپ ﷺ نے جس سپر پر روکا وہ صرف یہ دعا تھی:

(۱)۔ ابن حنبل ج ۳ صفحہ ۱۴۷۔ (۲)۔ جامع ترمذی تفسیر فتح۔
(۳)۔ بخاری وفات النبی ﷺ۔ (٤)۔ صحیح بخاری معبث النبی ﷺ۔ (٥)۔ مشکوٰۃ اخلاق النبی ﷺ بحوالہ صحیح مسلم۔
(٦)۔ صحیح بخاری تفسیر سورۃ دخان ج ۲

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

خدایا ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزاء اور تمسخر سے دیا تھا' وہ طائف جس نے داعیٔ اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا ان کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے' جواب ملتا ہے کہ شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔ (۱)۔ دس بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے' جاں نثاروں کی لاشوں پر لاشیں گر رہی ہیں۔ صحابہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ان کے حق میں بد دعا کیجئے۔ آپ ﷺ دعا کے لیئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں' کہ حضور ﷺ ان کے حق میں بد دعا فرمائیں گے' لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں' خداوند! ثقیف (اہل طائف) کو اسلاف نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا۔ وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے' وہ مدینہ کے صحن مسجد میں زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے' یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھ کر جہاں وہ مہمان ٹھہرائے گئے تھے' مسلمان ہوئے۔ (۲)۔

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ طفیل ؓ بن عمرو دوسی اسی قبیلہ کے رئیس تھے وہ قدیم

الاسلام تھے مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے' لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قبیلے کی حالت عرض کر کے گزارش کی کہ ان کے حق میں بد دعا فرمایئے' لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں' لیکن رحمت عالم ﷺ نے جن الفاظ میں دعا فرمائی وہ یہ تھے۔ (۳)۔

اللھم اھد دوسا وات بھم۔

خداوندا دوس کو ہدایت کر اور ان کو لا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ماں مشرکہ تھیں' اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے وہ اباء کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے اسلام کی دعوت دی تو ان کی ماں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے دعا کی۔ الٰہی! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت نصیب کر وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور ماں نہا رہی ہیں' غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔ (۴)۔

عبداللہ بن ابی بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا اور کوئی موقع اس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور اعلانیہ استخفاف و اہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کفار قریش کے ساتھ اسکی خفیہ خط و کتابت تھی۔ غزوۂ احد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا۔ واقعہ افک میں حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا۔ بایں ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم و عفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپ ﷺ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ اسکے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا۔ یہ سن کر آپ ﷺ متبسم ہوئے

اور فرمایا۔ ہٹو اے عمر! جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا۔ اگر مجھے اختیار دیا جاتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں کہ اسکی بخشش ہو سکتی ہے تو اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔ (۵)۔

(۱)۔ صحیح بخاری۔ (۲)۔ ابن سعد غزوہ طائف۔ (۳)۔ صحیح مسلم مناقب دوس۔ (٤)۔ صحیح مسلم فضائل ابی ھریرۃؓ۔ (٥)۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

بچوں پر شفقت ::

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے' معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے راستہ میں بچے ملتے تو ان کو خود سلام کرتے۔ (۱)۔ ایک دن خالدؓ بن سعید خدمت اقدس میں آئے ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن پر تھا آپ ﷺ نے فرمایا سنہ سنہ' حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہا۔ چونکہ ان کی پیدائش حبش میں ہوئی تھی۔ اس لیئے آپ ﷺ نے اس کی مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کی بجائے سنہ کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر جو مہر نبوت تھی ابھری ہوئی تھی۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں' خالدؓ نے ڈانٹا' آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔ (۲)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی جس میں دونوں طرف آنچل تھے آپ ﷺ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دوں؟ لوگ چپ رہے آپ ﷺ نے فرمایا ام خالد کو لاؤ۔ (۳)۔ وہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا۔ ''پہننا اور پرانی کرنا۔'' چادر میں جو بوٹے تھے آپ ﷺ نے ان کو دکھا دکھا کر فرماتے تھے۔ ام خالد دیکھنا یہ سنا ہے یہ سنا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ام خالد حبش میں پیدا ہوئی تھی اور کئی مہینے تک وہیں رہی تھیں' اس لیئے ان سے حبشی زبان میں خطاب کیا۔ (۴)۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے

مار کر کھجوریں گراتا لوگ مجھ کو خدمت اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے کہا ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ میں نے کہا کھجوریں کھانے کے لیئے' ارشاد فرمایا کہ کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھالیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ (۵)۔

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ ﷺ پر سخت اثر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔ دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں' اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا' ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی' وہی اٹھا کر دے دی' عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیئے اور دونوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا۔ ارشاد فرمایا خدا جس کو اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجا لائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے (۶)۔ گا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کرونگا کہ دفعتاً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ (۷)۔

یہ محبت اور شفقت مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی' بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مارے گئے۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ! وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو' ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ (۸)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد کتاب الادب۔ (۲)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۸۸۶۔ (۳)۔ اصابہ میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گود میں اٹھا کر لائے۔ (اصابہ ترجمہ ام خالدؓ) (٤)۔ بخاری کتاب اللباس سنہ حبشی میں حسن کو کہتے ہیں۔ (۵)۔ ابوداؤد کتاب الجہاد۔ (٦)۔ صحیح بخاری صفحہ ۸۷ (۷)۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ (۸)۔

مسند ابن حنبل ج ۳ صفحہ ۴۳۵

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔(۱)۔بچوں کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے۔ایک دفعہ آپﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی آیا۔اس نے کہا۔تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو۔میرے دس بچے ہیں مگر اب تک میں نے کسی سے پیار نہیں کیا۔آپﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔(۲)۔

جابرؓ بن سمرہ صحابی تھے۔وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔نماز سے فارغ ہو کر آپﷺ اپنے گھر کی طرف چلے' میں بھی ساتھ ہولیا کہ ادھر سے چند اور لڑکے نکل آئے۔آپﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔(۳)۔

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ میں آپﷺ کا داخلہ ہو رہا تھا۔انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھیں جب آپﷺ کا ادھر گزر ہوا۔فرمایا۔اے لڑکیوں! تم مجھے پیار کرتی ہو؟ سب نے کہا! ہاں یارسول اللہ! فرمایا میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔(۴)۔حضرت عائشہؓ کم سنی میں بیاہ کر آئی تھیں' محلّہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں۔آپﷺ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپﷺ کا لحاظ کرکے ادھر ادھر چھپ جاتیں' آپﷺ انہیں تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے۔(۵)۔

غلاموں پر شفقت ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے' فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو۔وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت میں جو غلام آتے

کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ' جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ' ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کرو۔(۱)۔

ایک دفعہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی' ابو مسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے' خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا' فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی۔

ایک شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے پھر عرض کی' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر خاموشی اختیار کی' اس نے تیسری بار عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لونڈی تھی۔ ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لونڈی کو پتھر مارا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اچھا اس وقت تک خدمت گزاری کرے' جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے۔(۲)۔''

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے جن کے وہ بہت شاکی تھے' وہ ان کو مارتے تھے' برا بھلا کہتے تھے' لیکن وہ دونوں باز نہ آتے تھے' انہوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تمہاری سزا اگر ان کے قصور کے برابر ہو گی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہو گی۔ اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزا دے گا۔ یہ سن کر وہ بے قرار ہو گئے اور گریہ و زاری شروع کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ شخص قرآن مجید نہیں پڑھتا ونضع الموازین القسط یہ سن کرانہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بہتر ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں' آپ ﷺ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔(۳)۔ غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی' غلام نے خدمت نبوی ﷺ میں آکر شکایت کی' آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا کہ لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کرکے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں' نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔(۴)۔

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافروں کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ انہیں آزاد فرما دیتے تھے۔(۵)۔مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو

---

(۱)۔بخاری باب المعاصی من امر الجاهلیه و ابوداؤد کتاب الادب۔ (۲)۔یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوك میں مذکور ہے۔ (۳)۔مسند ابن حنبل ج صفحہ ۲۸۰ (۴)۔سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق۔ (۵)۔ابوداؤد کتاب الجہاد و مسند ابن حنبل ج ۱ صفحہ ۲۴۳

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔(۱)۔جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے۔چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا۔اس لیئے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کو عنایت فرماتے تھے۔

مستورات کے ساتھ برتاؤ ::

دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہیں۔اس لیئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا

طریق معاشرت کیا تھا' اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی' اس لیئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلا (ازواج مطہراتؓ سے چند روز علیحدگی) جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل نا قابل التفات سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی' لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح اپنے ارشادو احکام سے ان کے حقوق قائم کیئے۔ آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا' ازواج مطہراتؓ کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں' یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا' عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا' مستورات نے آ کر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس لیئے ہمارے لیئے ایک دن خاص مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش کو ہجرت کی تھی ان میں اسماء بنت عمیس بھی تھیں۔ خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں۔ ایک دن حضرت حفصہؓ سے ملنے گئیں۔ اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر بھی موجود تھے' ان کو دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے نام بتایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ہاں وہ حبش والی وسمندر والی۔ اسماءؓ بنت عمیس نے کہا! وہی حضرت عمرؓ نے کہا ہم لوگوں نے تم سے پہلے ہجرت کی اور اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادہ حق

ہے۔ اسماءؓ کو سخت غصہ آیا۔ بولیں "ہرگز نہیں۔" تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے' وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے' ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے۔ اسماءؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ! عمرؓ نے یہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے کیا جواب دیا۔ انہوں نے ماجرا سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمر کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں' عمر اور اس کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں۔

(۱)۔ ابو دائود باب قسمته الفئی۔ (۲)۔ صحیح بخاری کتاب العلم هل یجعل للنساء یومًا علی حدہ الخ۔

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماءؓ کے پاس آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مہاجرین کے لیئے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔ (۱)۔

حضرت انسؓ بن مالک جو خادم خاص تھے ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا جب آپ ﷺ قباء تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے' وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ ﷺ نوش فرماتے' آپ ﷺ سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔ (۲)۔

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی۔ آپ ﷺ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے' وہ بچھونا بچھا دیتیں۔ آپ ﷺ آرام فرماتے' جب سو کر اٹھتے وہ آپ ﷺ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں' مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ کی والدہ ملیکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی' کھانا خود تیار کیا تھا'

آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا۔ ''آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں'' گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی۔ حضرت انسؓ نے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیئے بچھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت کی' حضرت انسؓ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے' آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور واپس آئے۔ (۴)۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی (اسماءؓ) جو حضرت عائشہؓ کی علاتی بہن تھیں' حضرت زبیرؓ سے بیاہی تھیں' مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیرؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حضرت اسماءؓ خود ہی گھوڑے کے لیئے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں۔ حضرت زبیرؓ کو جو زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی' وہاں سے کھجور کی گھٹلیاں سر پر لاد کر لاتیں۔ ایک دن وہ گھٹلیاں لیئے ہوئے آ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا' اس وقت اونٹ پر سوار تھے' اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہو لیں' حضرت اسماءؓ شرمائیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے' حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ آئے تو سب اٹھ کر چل دیں۔ آنحضرت ﷺ ہنس پڑے حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خنداں رکھے کیوں ہنسے' فرمایا ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔۔ سب نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت مزاج ہو۔ (۶)۔

(۱)۔ صحیح بخاری غزوہ خیبر۔ (۲)۔ بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۳۹۱ (۳)۔ بخاری کتاب الاستیذان۔ (٤)۔ بخاری باب الصلوۃ علی الحصیر۔ (٥)۔ بخاری صفحہ ۷۸٦ کتاب النکاح۔ (٦)۔ صحیح بخاری مناقب عمر بن خطاب۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ ﷺ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے۔ عید کا دن تھا۔ چھوکریاں گا بجا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا' آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ان کو گانے دو ان کی عید کا دن ہے۔(۱)۔

عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپ ﷺ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھیں' لیکن آپ ﷺ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں۔ ان کی خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خواں تھے' یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہراتؓ ساتھ تھیں۔ انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے' اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ انجشہ ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔

حیوانات پر رحم ::

حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے' ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے موقوف کرا دیئے' اونٹ کے گلے میں قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا (۲)۔ (زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے' اس کو منع کر دیا' جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ دم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کا لحاف ہے' جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیر اندازی کرتے تھے' اس

سنگ دلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔)

ایک دفعہ ایک گدھا راہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے۔علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا۔ایسی حالت میں آپ ﷺ ان اعضاء کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے ریوڑ میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔ (۳)۔

ایک بار آپ ﷺ کسی سفر میں جارہے تھے لوگوں نے مقام پر منزل کیا' وہاں ایک پرندے نے انڈہ دیا ہوا تھا ایک شخص نے وہ انڈہ اٹھالیا' چڑیا بے قرار ہو کر پر مار رہی تھی۔آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ اس کا انڈہ چھین کر کس نے اسکو اذیت پہنچائی؟ ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا اسے وہیں رکھ دو۔(۴)۔

ایک صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ان کے ہاتھوں میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی' جا کر دیکھا تو یہ بچے تھے میں نے ان کو نکال لیا۔پرندہ نے یعنی ان کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔آپ ﷺ نے فرمایا۔ جاؤ اور بچوں کو وہیں پھر رکھ آؤ۔(۵)۔

ایک بار راستہ میں ایک اونٹ نظر سے گزرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدت گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے۔فرمایا ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔(۶)۔ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپ ﷺ تشریف لے گئے۔

---

(۱)۔مسلم کتاب العیدین۔ (۲)۔ صحیح مسلم باب اللباس الزینتہ۔ (۳)۔ یہ حدیثیں ترمذی و ابوداؤد وغیرہ میں مذکور ہیں۔ (۴)۔ ادب المفرد امام بخاری باب رحمتہ البھائم۔ (۵)۔ مشکوٰہ بحوالہ

جاؤ

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

احب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما۔ (۱)۔

لوگوں کیلئے وہی چاہو جو اپنے لیئے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ وحتی یحب المرء لا یحبہ الا اللہ عزوجل۔ (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۲۷۲)

تم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کیلئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیئے رکھتا ہے جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کیلئے پیار نہ کرے۔

ایک شخص نے مسجد نبوی ﷺ میں آ کر دعا کی خدایا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر' آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔ (۲)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی ﷺ میں آیا (۳)۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی' نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا خداوندا! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہے یا اس کا اونٹ۔ یعنی آپ ﷺ نے اس قسم کی دعا کرنا ناپسند فرمایا۔

---

(۱)۔ ایضًا (۲)۔ زرقانی ج صفحہ ۲۸۹ (۳)۔ صحیح بخاری باب الھجرہ صفحہ ۸۹۷ (٤)۔ زرقانی ج صفحح ۲۸۹ (٥)۔ صحیح بخاری باب الھجرہ صفحہ ۸۹۷ (٦)۔ جامع ترمذی باب الزھد بسند غریب۔

رقیق القلبی ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ مالک بن

حویرث ایک وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے ان کو بیس دن تک مجلس نبوی ﷺ میں شرکت کا موقع ملا تھا وہ فرماتے تھے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحیما رقیقا۔(۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے۔ مجبوراً آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ' معاذ بن جبل' ابی بن کعب' زیدؓ بن ثابت بھی ساتھ تھے' بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رجاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ فرمایا' خدا ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔(۲)۔غزوۂ احد کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا' مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں یہ دیکھ کر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور فرمایا حمزہ (عم رسول اللہ) کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔(۳)۔

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی' عرب میں لڑکیوں کے مار ڈالنے کا کہیں کہیں دستور تھا' میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دیا۔ وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بے دردی کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قصہ کو پھر دہراؤ۔ ان صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا۔ آپ ﷺ بے اختیار روئے۔ یہاں تک کہ روتے روتے محاسن مبارک تر ہو گئے۔(۵)۔

حضرت عباسؓ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر باندھ دیئے تھے' اور وہ درد سے کراہ رہے تھے' ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک

میں بار بار پہنچ رہی تھی' لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے۔ تاہم نیند نہیں آتی تھی' آپ ﷺ بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدل رہے تھے۔ لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گرہیں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباسؓ کی کرب اور بے چینی رفع ہوئی تو آپ ﷺ نے استراحت فرمایا۔

مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے۔ جو اسلام سے پہلے بہت ناز و نعمت میں پلے تھے۔ ان کے والدین بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے' خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے۔ والدین کی محبت دفعتاً عداوت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و و قاقم میں ملبوس رہتا تھا۔ اس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا۔ یہ پر اثر منظر دیکھ کر آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے۔ (۶)۔

---

(۱)۔ صحیح بخاری کتاب الادب۔ شاید یہ دونوں واقعے ایک ہوں۔
(۲)۔ بخاری صفحہ ۸۸۵ باب رحمت الناس۔ (۳)۔ صحیح بخاری باب المرضی صفحہ ۸۲۲ (۴)۔ سیرت ج اول احد۔ (۵)۔ مسند دارمی ص اول۔ (۶)۔ ترغیب و ترھیب ج ۲ صفحہ ۲۴۷ بحوالہ ترمذی و مسند ابو یعلی۔

عیادت و تعزیت و غمخواری ::

بیماروں کی عیادت میں دوست و دشمن' مومن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔ (سنن نسائی باب التکبیر علی الجنازہ میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن شئی عیادۃ المریض آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ) میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے۔ (۱)۔

عبداللہؓ بن ثابت جب بیمار ہوئے تو آپ ﷺ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی' آواز دی وہ خبر نہ ہوئے فرمایا افسوس ابو الربیع تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا۔ یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں۔ لوگوں نے روکا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس وقت رونے دو' مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے۔ عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا' مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی' کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیئے تھے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔ (۲)۔

حضرت جابرؓ بیمار ہوئے تو اگر چہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا۔ پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے (۳)۔ تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے۔ ان پر غشی طاری تھی۔ پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا جابرؓ ہوش میں آئے' اور عرض کی یا رسول ﷺ اللہ! اپنا ترکہ کس کو دوں اس پر یہ آیت اتری: یوصیکم اللہ فی اولادکم۔ (۴)۔

ایک صاحب بیمار ہوئے' آپ ﷺ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے' جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ خبر نہ کی اور دفن کر دیا۔ صبح کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔ (۵)۔

عبداللہ بن عمرو نے غزوۂ احد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے۔ ان کی لاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی۔ ان کے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں' حاضرین نے روکا' انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا' لوگوں نے پھر روک دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رونے کی بات نہیں۔ فرشتے

ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے۔(۶)۔

ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن عبادہ بیمار ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے۔ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتا دیکھ کر سب رو پڑے۔(۷)۔

---

(۱)۔صحیح بخاری باب عیادہ المشرک۔ (۲)۔ ابوداؤد باب الجنائز۔ (۳)۔صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۶۵۸ تفسیر آیت مذکور۔ (۴)۔بخاری کتاب الجنائز۔ (۵)۔بخاری جنائز صفحہ ۱۷۲۔ (۶)۔ایضاً ۱۷۴

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔(۱)۔مر گیا تو لوگوں نے آپ ﷺ کو خبر نہ کی۔ ایک دن آپ ﷺ نے ان کا حال دریافت فرمایا' لوگوں نے کہا وہ انتقال کر گیا' ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ کو خبر نہ کی' لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ ﷺ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی) آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔(۲)۔

جنازہ جاتا تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔(۳)۔اگرچہ آپ ﷺ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے' خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے' حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی' جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ ﷺ مجلس ماتم میں بیٹھے' اسی حالت میں کسی نے آکر کہا کہ جعفر کی عورتیں رو رہی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا جا کر منع کرو' وہ گئے اور واپس آکر کہا میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آئیں' آپ ﷺ نے دوبارہ منع کرا بھیجا' پھر وہ باز نہ آئیں سہ بارہ

منع کرنے پر جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا کہ جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ (۴)۔

لطف طبع ::

کبھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے' ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا۔ ''او دو کان والے (۵)۔'' اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انسؓ نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کا نام ابوعمیر تھا وہ کم سن تھے اور ایک مولا پال رکھا تھا کہ اتفاق سے وہ مر گیا' ابوعمیر کو بہت رنج ہوا' آپ ﷺ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا ابوعمیر ما فعل النغیر یعنی ابوعمیر! تمہارے مولے کیا کیا۔ (۶)۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں میں آکر عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو' ارشاد ہوا کہ۔ میں تم کو اونٹنی کا بچہ دوں گا' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔

ایک بڑھیا خدمت اقدس میں آئی کہ حضور ﷺ میرے لیئے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا بڑھیاں بہشت میں نہ جائیں گے۔ اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اسے کہہ دو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی' لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔ (۷)۔

ایک بدو صحابی تھے جن کا نام زاہرؓ تھا۔ وہ دیہات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے ایک دفعہ وہ شہر میں آئے گاؤں سے جو چیزیں لائے تو ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے۔ اتفاقاً آپ ﷺ ادھر سے گزرے

---

(۱)۔ بخاری باب الصلوۃ علی القبر میں ابوھریرہؓ کی روایت کے راوی نے شك کیا کہ یہ مرد تھا یا عورت' لیکن دوسری روایتوں میں اس کا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ ام محجن اس کا نام تھا)

میں بھیج دیئے کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لا دو۔

حضرت فاطمہؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے' ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابو قتادہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبوی ﷺ میں حاضر تھے کہ دفعتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامہ آنحضرت کی نواسی تھیں کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی' جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے' پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے' اسی طرح پوری نماز ادا کی۔ (۳)۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی عوالی میں پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے ان کے دیکھنے کے لیئے مدینہ سے پیادہ پا جاتے' گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا۔ گھر میں جاتے بچہ کو انا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے' پھر مدینہ کو واپس آتے۔ (۴)۔

---

(۱)۔ شمائل ترمذی۔ (۲)۔ صحیح بخاری صفحہ ۴۸ باب الدوابالعسل۔ (۳)۔ نسائی ص ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ (۴)۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۹۱۔

ایک دفعہ' اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمت اقدس میں آئے' آپ ﷺ امام حسینؓ کا منہ چوم رہے تھے' عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا' ارشاد فرمایا کہ جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (یعنی خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔)

حسنین علیہما السلام سے بے انتہاء محبت تھی۔ فرماتے تھے کہ میرے گلدستے ہیں' حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لانا' وہ صاحبزادوں کو لاتیں' آپ ﷺ انکو چومتے اور سینہ سے لپٹاتے۔

ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرما رہے تھے' اتفاق سے حسنین علیہما السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے آئے کم سنی کی وجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے۔ آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے' منبر سے اتر کر گود میں اٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہے **انما اموالکم اولادکم فتنھت** فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں' خدا اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے' کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوار بھی کیسا ہے۔ (۱)۔

ایک دفعہ حسنؓ یا امام حسینؓ (راوی کو بہ تعین یاد نہیں رہا) آپ ﷺ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ' انہوں نے آپ ﷺ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے آپ ﷺ نے منہ چوم کر فرمایا۔ اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔ (۲)۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے' امام حسین علیہ السلام راہ میں کھیل رہے تھے' آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلا دیا' وہ ہنستے ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے بالآخر آپ ﷺ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹا لیا' پھر فرمایا' حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ (۳)۔

اکثر امام حسین علیہ السلام کو گود میں لیتے اور ان کے منہ میں منہ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہیے۔

آپ ﷺ کے داماد حضرت زینب کے شوہر جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کہلا بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا' یہ ہار تھا کہ حضرت زینبؓ کے جہیز میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسوں نکل آئے۔ پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو ہار زینبؓ کو بھیج دوں۔ سب نے بسر وچشم

منظور کیا۔

حضرت زینبؓ کی کم سن صاحبزادی کا نام امامہ تھا۔ ان سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی۔ آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوئے بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو وہ دوش مبارک پر سوار ہو جاتیں۔ رکوع کے وقت، آپ ﷺ ان کو کاندھے سے اتار دیتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ روایتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کو کاندھوں پر بٹھا لیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

(۱)۔ یہ تمام روایتیں شمائل ترمذی میں مذکور ہیں، اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے۔ (۲)۔ ادب المفرد بخاری صفحہ ۵۱ (۳)۔ ایضاً صفحہ ۷۳

آپ ﷺ کی ایک نواسی حالت نزع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ ﷺ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوش مبارک میں رکھ دی گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ﷺ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ (۱)۔

حضرت ابراہیمؑ کی وفات میں بھی آپ ﷺ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا تھا۔ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے، لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے، (۲)۔ لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل واولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچوں سے آپ ﷺ کو انس تھا۔

(۱)۔ بخاری کتاب المرضی صفحہ ۸۴۴ (۲)۔ بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۴۴

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ معاشرت

حضرت خدیجہؓ

سلسلہ نسب یہ ہے۔خدیجہؓ بنت خویلد بن اسعد بن عبدالعزیٰ بن قصی،قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، ان کی والدہ فاطمہ بنت زاہدہ تھیں،ان کے والد اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے، مکہ میں آ کر سکونت اختیار کی اور بنوعبدالدار کے حلیف (۱)۔ بنے، عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زاہدہ سے نکاح کیا،ان کے بطن سے حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں۔ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زراہ تمیمی سے ہوئی۔ان سے دولڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند (۲)۔ تھا اور دوسرے کا حارث۔ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی،اس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہؓ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں،ہند نے اول اسلام قبول کیا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مفصل حلیہ ان ہی کی روایت سے منقول ہے، نہایت فصیح و بلیغ تھے،حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔(۳)۔

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں جس کے مفصل حالات گزر چکے۔آنحضرت ﷺ سے چھ اولادیں ہوئیں۔دو صاحبزادے کہ دونوں بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ زہراؓ،حضرت زینبؓ،حضرت رقیہؓ،حضرت ام کلثومؓ۔ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن ہالہ تھیں وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی،جب وہ عقد

نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس سال کے تھے' نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں ان کی زندگی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ﷺ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے' حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا' جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو رنجیدہ کیا' لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔ (۴)۔

---

(۱)۔ طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ کتاب النساء۔ (۲)۔ طبقات ابن سعد۔ (۳)۔ اصابہ ذکر ہند۔ (۴)۔ صحیح مسلم فضائل خدیجہؓ۔

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی' ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی۔ آپ ﷺ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آ گئیں اور آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ ہوں گی۔" حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں ان کو رشک ہوا۔ بولیں کہ آپ ﷺ ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں' صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں' جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ازواج مطہراتؓ میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ

کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ وہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں' اس بناء پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے' ان کی شادی پہلے سکرانؓ بن عمرو سے ہوئی تھی۔ حضرت سودہؓ انہی کے ساتھ اسلام لائیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی' حبشہ سے مکہ کو واپس آئیں سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ انہوں نے جنگ جلولاء میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! گھر بار بال بچوں کو انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا۔ آپ ﷺ کے ایماء سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا' انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا ہاں محمد ﷺ شریف کفو ہیں' لیکن سودہ سے بھی تو دریافت کرو' غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا۔ (۱)۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے آئے۔ ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈالی کہ کیا غضب ہو گیا' چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔ حضرت عائشہؓ اور سودہؓ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا۔ اس لیئے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے۔ عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے بعد نکاح میں آئیں۔

---

(۱)۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ رمضان ۱۰ ھ میں ان کا نکاح ہوا' زرقانی نے ۸ھ میں بھی لکھا ہے' یہ اختلاف اس بناء پر ہے کہ خود

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے سنہ میں اختلاف ہے۔

شکل وشباہت ::

حضرت سودہؓ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، حجتہ الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہراتؓ قضائے حاجت کے لیئے صحرا کو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ ناگوار ہوتا تھا' اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے' لیکن ابھی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیئے نکلیں' چونکہ ان کا قد نمایاں تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا سودہؓ! تم کو ہم نے پہچان لیا۔ اسی دفعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔(۱)۔

اخلاق وعادات ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات میں سخاوت و فیاضی ایک نمایاں وصف تھا' اس بنا پر صحابہ میں جس کو آپ ﷺ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا' ازواج مطہراتؓ کو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات وفیض محبت سے متمتع ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا' اس لیئے وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے حضرت سودہؓ اس وصف میں باستثنائے حضرت عائشہؓ سب سے ممتاز تھیں' ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی' لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا درہم' بولیں کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں' یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ اطاعت بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے ممتاز تھیں۔

روایت حدیث ::

ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں' جن میں بخاری میں صرف ایک ہے' صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور یحیٰی بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

وفات ::

حضرت سودہؓ کے سنہ وفات میں اختلاف ہے' واقدی کے نزدیک انہوں نے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت ۵۴ھ میں وفات پائی' حافظ ابن حجر ان کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔ ذہبی نے تاریخ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی۔ حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ میں وفات پائی اس لیئے ان کا زمانہ وفات ۲۲ھ ہوگا' خمیس میں ہے کہ یہی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔(۲)۔

---

(۱)۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۲۶ آیت حجاب کے شان نزول میں سخت اختلاف ہے ایک روایت تو یہی ہے' دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے یہاں نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں کاش آپ ﷺ ان کو پردے کا حکم دیتے' ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے' حضرت عائشہؓ بھی شریک طعام تھیں۔ ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓ سے چھو گیا۔ رسول ﷺ اللہ! کو ناگوار گزرا" اس پر آیت حجاب اتری۔ عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت زینبؓ کی دعوت ولیمہ میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جن میں آخری سبب حضرت زینبؓ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہے کیونکہ

خود آیت میں واقعہ کی طرف اشارہ پائے جاتے ہیں۔ فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۱۹۔ (۲)۔ زرقانی ج ۳ صفحہ ۲۶۲ بہ تفصیل مذکور ہے' طبقات ابن سعد میں صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ::

عائشہؓ نام تھا۔ اگر چہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' تاہم اپنے بھانجے عبداللہ زبیرؓ کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں' ماں کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی' بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ۱۰ نبوی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح ہوا' اس وقت شش سالہ تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم کے صاجزادے سے منسوب تھیں' حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح کی تحریک کی' آپ ﷺ نے رضامندی ظاہر کی' خولہ نے ام رومان سے کہا۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے مذکور کیا' بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر آ گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا۔ بہر حال حضرت ابو بکرؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کر دیا' چار سو درہم مہر قرار پایا لیکن مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ازواج مطہراتؓ کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام تین سال تک رہا۔ ۱۳ھ میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابو بکرؓ ساتھ تھے' اہل وعیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے' جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان' اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زید بن حارثؓ اور ابو رافع کو حضرت فاطمہؓ' ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ وغیرہ کے لانے کے لیئے روانہ فرمایا' مدینہ میں آ کر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں' اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے' صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال

آیا، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہؓ کو آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیئے۔ گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہو گئیں تو سب نے مبارک باد دی، چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ اس بناپر اہل عرب مہینہ کو اس تقریب کے لیئے مکروہ خیال کے مٹانے کے لیئے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا۔

(۱)۔ حضرت عائشہؓ کے حالات اور خصوصًا ان کے علمی کمالات کیلئے مستقل تصنیف درکار ہے یہاں صرف ضروری سوانح زندگی کر لکھ دیے گئے ہیں۔ (حضرت مصنف نے اپنا یہ وعدہ پورا کر کے سیرت عائشہ کے نام کتاب لکھ دی ہے۔)

وفات ::

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نو برس تک زندگی بسر کی، نو سال کی عمر میں وہ آپ ﷺ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت عائشہؓ تقریبًا ۴۸ سال تک زندہ رہیں، ۵۷ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی وصیت کے مطابق جنتہ البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں، قاسم بن محمد عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی، اس محبت سے آپ ﷺ نے مرض الموت میں تمام ازواج مطہراتؓ سے اجازت لی اور اپنی زندگی

کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کیئے اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث وسیر میں نہایت کثرت سے واقعات درج ہیں۔

علمی زندگی ::

حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے' حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتوی دیتی تھیں' اکابر صحابہ پر انہوں نے دقیق اعتراضات کیئے ہیں جن کو علامہ سیوطیؒ نے ایک رسالہ میں جمع کردیا ہے ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے' بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں' ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں' بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ ہی حل کرتی تھیں ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریر نہیں دیکھا۔ تفسیر' حدیث' اسرار شریعت خطابت اور آداب وانساب میں ان کو کمال تھا۔ شعراء کے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے' حاکم نے مستدرک میں اور ابن سعد نے طبقات میں بہ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل وکمال کے دلائل اور شواہد ملتے ہیں۔

حضرت حفصہؓ ::

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں' ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا۔ بعثت سے پانچ برس پہلے عین اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کررہے تھے پیدا ہوئیں' ان کی شادی خنیسؓ بن حذافہ سے ہوئی اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی' خنیسؓ نے غزوۂ بدر میں زخم کھائے اور واپس آکر انہوں نے زخموں کی وجہ سے شہادت (۱)۔ پائی خنیسؓ نے اپنی یادگار میں حضرت حفصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ (۲)۔ حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان

کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر سب

(۱)۔ زرقانی ج ۲ صفحہ ۲۷۰ عام طور پر مشہور ہے لیکن اصابہ میں ہے کہ غزوہ احد میں شہید ہوئے' حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کا نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ شریک غزوہ بدر نہ ہوسکے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خنیسؓ نے غزوہ بدر کے بعد وفات پائی' دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ مغموم بیٹھے تھے حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے اور پوچھا کہ حفصہؓ سے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گزر گئی' اگر خنیسؓ نے احد میں شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۴ھ ہوتا حالانکہ نکاح ۳ھ میں ہوا۔ فتح الباری ۱۵۲۱ (۲)۔ طبری ج ۴ صفحہ ۱۷۷

سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انہوں نے کہا میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا' انہوں نے خاموشی اختیار کی' حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔ اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش کی' نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر رسول اللہ نے ان سے نکاح نہ کرلیا ہوتا تو میں اس کے لیئے امادہ (۱)۔ تھا۔ حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اس لیئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلا کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے' میں ایک دن کسی معاملہ میں غور کر رہا تھا۔ اتفاق

آئیں۔ حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو نہیں پایا تو

---

(۱)۔ بخاری ج ۲ صفحہ ۶۸ صحیح بخاری ۲ صفحہ ۶۸ (۲)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۵۳۰ (۳)۔ ترمذی صفحہ ۴۷۸ کتاب المناقب۔ (۴)۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۳۰۔ (۵)۔ ترمذی صفحہ ۲۷۸ کتاب المناقب۔

اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں۔ خداوندا کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے۔ (۱)۔

وفات ::

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں جو امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی' کچھ جائیداد بھی وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا۔ مروان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ نماز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا' یہاں سے قبر تک حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو لے گئے ان کے بھائی عبداللہ عاصم' سالم عبداللہ' حمزہ عبداللہ بن عمرؓ کے لڑکوں نے قبر میں اتارا۔ (۲)۔

حضرت زینب ام المساکینؓ

زینب نام تھا چونکہ فقراء اور مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلاتی تھیں اس لیئے ام المساکینؓ کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہؓ بن جحش کے نکاح میں تھیں' عبداللہ بن جحش نے جنگ احد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ

ہند نام' ام سلمہ کنیت تھی' باپ کا نام سہیل اور ماں کا عاتکہ تھا' پہلے عبداللہ بن عبدالاسد کے نکاح میں جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ان کے چچازاد اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے' اپنے شوہر کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی' چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے

(۱)۔ اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ازواج مطہراتؓ میں اس قسم کی روایتیں صرف صفیہؓ حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہیں اس کے اسباب کی تلاش کرنی چاہیئے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کے ساتھ منافقین جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔ (۲)۔ حضرت حفصہؓ کے بھی سن وفات میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ انہوں نے جمادی الاول ۴۱ھ میں وفات پائی اس وقت ان کا سنہ ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ میں انتقال کیا یہ روایت اس بنا پر کی گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے۔ اس دوسری فتح کا فخر حضرت معاویہ بن خدیج کو حاصل ہے اور یہ فتح ۵۰ھ میں ہوئی وہب بن مالک نے حفصہ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

حبشہ ہی میں پیدا ہوئے' حبشہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی' ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو

ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں' ان کے پہلے شوہر ابوسلمہؓ بڑے شاہسوار تھے' مشہور غزوات بدر و احد میں شریک ہوئے۔ غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ! آپ ﷺ کو سہو تو نہیں ہوا۔ فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے' ابوسلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں' وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کیئے:

(۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔ (۲) صاحب عیال ہوں۔ (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

وفات ::

اہل سیر متفق اللفظ ہیں کہ ازواج مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی' لیکن انکے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہے ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہے اور تقریب میں اس کو صحیح کہا ہے' امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۵۸ میں وفات پائی' بعض روایتوں میں ہے کہ ۶۱ھ میں جب امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت انکا انتقال ہوا ہے۔ ابن عبداللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعین مشکل ہے۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں مسلم میں ہے کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا' یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا۔ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے

اس لیئے اس سے پہلے انکی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں ۔ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی وصیت کی بناء پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی، لیکن اس روایت کی صحت میں کلام ہے، سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۱ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا ہے اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہؓ زندہ تھیں۔ واقدی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے انکا جنازہ پڑھایا مگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہؓ خلاف وصیت کیونکہ نماز جنازہ پڑھ سکتے تھے، بہر حال ازواج مطہراتؓ میں سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی اور وفات کے وقت انکی عمر ۸۴ سال کی تھی۔

فضل وکمال ::

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد فضل وکمال میں انہی کا درجہ ہے ابن سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے، روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہؓ کے سوا اور تمام بیبیوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے، صلح حدیبیہ میں جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تامل تھا تو حضرت ام سلمہؓ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور ان کی یہ دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بہ تفصیل موجود ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواج مطہراتؓ میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینبؓ بھی تھیں، خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کانت تسامینی یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا۔ نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی ممتاز تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے نہایت محبت تھی۔ زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ یہ حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں تو

آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

ما علمت الا خیرا

مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

حضرت عائشہؓ کو ان کے اس صدق واقرار حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا آپ ﷺ نے فرمایا ان سے درگزر کرو، یہ اواہ (یعنی خاشع ومتضرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست وبازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کردو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ انہوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاس درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

وفات ::

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ سے فرمایا تھا:

اسرعکن لحاقابی اطولکن یدا

تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہو گا۔

یہ استعارہ فیاضی کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہراتؓ اس کو حقیقت سمجھیں،

چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشن گوئی کا مصداق ثابت ہوئی اور ازواج مطہراتؓ میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک صدقہ کر دینا چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی' اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہوگا؟ انہوں نے کہا وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ (چنانچہ اسامہ محمد بن عبداللہ بن جحش' عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا) ۲۰ھ میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی' واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت ان کا نکاح ہوا' اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہؓ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا' مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی جو غزوہ مریسیع میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے' انہی لونڈیوں میں حضرت جویریہ بھی تھیں' جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماسؓ انصاری کے حصہ میں آئیں۔ اسلام میں اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں' اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح میں کتابت کہتے ہیں' اسی اصول کے موافق حضرت جویریہؓ مکاتبہ بن گئیں' ان کو شرط کے موافق ۹ اوقیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی' وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہؓ حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں' میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی اور ۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا۔ یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ ﷺ کے بھروسہ پر منظور کر لیا اور اب آپ ﷺ سے اس کا سوال کرنے کے

لیئے آئی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں' وہ راضی ہو گئیں' آپ ﷺ نے ثابت قیس کو بلایا' وہ بھی راضی ہو گئے' آپ ﷺ نے رقم ادا کی' اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ یہ چرچا پھیلا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام کو اس بنا پر آزاد کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا۔ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جویریہؓ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے' بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود حضرت جویریہؓ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں' اس وقت ان کا سنہ ۶۵ برس کا تھا۔

حضرت ام حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہ کنیت تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں اور عبید اللہ بن جحش نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں' اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ ابن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی' اور اب وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین کا شرف بھی حاصل ہو' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن امیۃ الضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا' جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیئے لکھا ہے۔ انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں' جب شام ہوئی تو

سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی' ابن مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں' کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا' حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں جب خیبر کے تمام قیدی جمع کیئے گئے تو وحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی' انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا' لیکن ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ ﷺ نے رئیس بنو نضیر قریظہ کو وحیہ کو دے دیا۔ وہ صرف آپ ﷺ کے قابل ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وحیہؓ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں' وہ صفیہؓ کو لے کر آئے تو آپ ﷺ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا' خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا۔ اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنے عباء سے ان پر پردہ کیا' یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہراتؓ میں داخل ہو گئیں۔

حضرت صفیہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے' ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں' حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا' حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے' آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو' انہوں نے کہا کہ کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے اس قدر ناراض ہوئے۔ کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔ ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ ﷺ کی

چچازاد بہن بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ موسیٰ میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں' اس لیئے تم لوگ کیونکہ مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟

حضرت صفیہؓ نے ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اولاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے چھ اولادیں تھیں، قاسمؓ ابراہیمؑ زینبؓ رقیہؓ ام کلثومؓ فاطمہؓ۔ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئیں لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادوں کا نام اور لیا ہے۔ طاہر، طیب۔اس بناء پر اولاد مذکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کے بارہ اولادیں تھیں جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں،لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں البتہ صاحبزادوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے،جن میں قاسم اور ابراہیم پر تمام روایتوں کا اتفاق ہے حضرت ابراہیمؑ ماریہ قبطیہؓ سے اور بقیہ حضرت خدیجہؓ سے تھیں۔(۱)۔

حضرت قاسمؓ

آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے اور غالبا نبوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے۔مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے،ابن سعدؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے،ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا۔عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم انہی کے انتساب سے ہے،آپ ﷺ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے،صحابہ بھی جب آپ ﷺ کا محبت سے نام لیتے تو ابو القاسم ہی کہتے،ایک دن آپ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابا القاسم! کہہ کر آواز دی،آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو اس

نے کہا یا رسول اللہ! میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں، رفع اشتباہ کے لیئے پھر آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔

(۱)۔ زرقانی ص ۲۳

حضرت زینبؓ

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں، زبیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسمؓ کے بعد پیدا ہوئیں، لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینبؓ ہی ہیں، بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع بن لقیط سے ہوئی۔ غزوۂ بدر میں ابو العاص گرفتار ہو گئے، جب رہا کیئے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے، ابو العاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا، کنانہ نے ہتھیار ساتھ لیئے تھے، مقام ذی طوی میں پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں، حمل ساقط ہو گیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہو گا، لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا، تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے، انہوں نے تیر ترکش میں ڈال دیئے۔ ابو سفیان نے کہا محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں، اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں، جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا، کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر

روانہ ہوئے' زیدؓ بن حارثہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے بھیج دیا تھا' وہ بطن یاجج میں تھے' کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے' اس وقت بھی حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی' مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا۔ اس لیئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی' وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ نے دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا' لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا' اس لیئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

---

(۱)۔ اصابہ میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایك قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ٦ھ میں روانہ ہوئے آنحضرت ﷺ نے زید ابن حارثہ کو ۱۷۰ سواروں کے ساتھ بھیجا' مقام عیض میں قافلہ ملا' کچھ لوگ گرفتار کیئے گئے اور اسباب لوٹ میں آیا ان میں ابوالعاص تھے' ابوالعاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال واپس کر دیا۔

ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی' نکاح جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں۔ ۷ھ یا ٦ھ (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام

ہوئیں، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا۔ ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا اگر تم محمد ﷺ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارا ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان کا نکاح زمانہ جاہلیت میں ہوا، لیکن خود ایک روایت حضرت عثمانؓ سے مروی ہے جس میں زمانہ اسلام کی تصریح ہے۔ نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آ کر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے بی بی کو لے کر ہجرت کی ہے۔

حبش میں حضرت رقیہؓ کے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا۔ حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت رقیہؓ مدینہ میں آ کر بیمار ہوئیں۔ یہ غزوہ بدر کا زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے۔ عین اس دن جس روز زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ آ کر فتح کا مژدہ سنایا وفات پائی، غزوہ بدر کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت ام کلثومؓ

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۳ھ میں جو غزوہ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا' لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں۔ تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کردیتا ہوں۔ بہرحال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثومؓ چھ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی' اور حضرت علیؓ حضرت فضل بن عباسؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمہ زہراؓ

فاطمہ نام' زہرا لقب سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ سن ابعثت میں پیدا ہوئیں' ابن اسحق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھیں۔ اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ ابعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی' اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت فاصلہ ہے اس لیئے یہ اختلاف ہوگیا ہوگا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی' پیدا ہوئیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ اگر ان کا سال ولادت ابعثت صحیح تسلیم کرلیا جائے جب پندرہ سال

ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئی تو ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔اس وقت حضرت علیؓ کا سن ۲۱برس پانچ مہینے (۱)۔کا تھا۔ حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا۔حضرت علیؓ نے خواہش کی تو فرمایا' تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے' بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیئے ضروری ہے' زرہ فروخت کر ڈالو۔حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علیؓ نے قیمت لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈال دی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں' عقد ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چادر' دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

---

(۱)۔ حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے' اس کی تعین اس روایت کی بناء پر لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے' اس روایت کی رو سے ان کا سن ۲٤ سال ڈیڑھ مہینہ کا تھا۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں۔ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات میں متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں میں صلح کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی

کرادی‘ گھر سے مسرور نکلے لوگوں نے پوچھا آپ ﷺ گھر میں گئے تھے اور حالت تھی‘ اب آپ ﷺ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرادی جو مجھ کو محبوب ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی‘ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں‘ پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے‘ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے‘ حضرت علیؓ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا۔ اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے آپ ﷺ نے مسجد میں خطبہ دیا۔ اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی۔ فرمایا۔ میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے۔ جس سے اس کو دکھ پہنچے گا۔ مجھے بھی اذیت ہوگی۔ چنانچہ حضرت علیؓ اس ارادہ سے باز آ گئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ (۱)۔

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسنؓ‘ حسینؓ‘ محسن‘ ام کلثومؓ‘ زینبؓ۔ محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینبؓ‘ امام حسنؓ‘ امام حسینؓ اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔ (۲)۔ اس وقت ان کا سن ۲۹ سال تھا۔ سن کی تعیین میں سخت اختلاف ہے‘ بعضوں نے ۲۴ سال‘ بعضوں ۲۵ سال اور بعضوں نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اگر ۴۱ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہوسکتا‘ البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل

نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

(۱)۔ صحیح بخاری ذکر اصہار النبی ﷺ۔ (۲)۔ اس میں بھی اختلاف ھے بعضوں نے لکھا ھے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف تین دن زندہ رھیں بعضوں نے چار مہینے بتایا ھے۔ بعضوں کے نزدیک دو مہینے کے بعد انتقال ہوا' کسی نے ایک مہینہ کسی نے تین مہینے بعد' اور بعضوں نے تین مہینے پانچ دن بعد لکھا ھے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے چھ مہینے والی روایت مذکور ھے۔

حضرت ابراہیمؓ

آنحضرت ﷺ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں ماریہ قبطیہؓ رہتی تھیں پیدا ہوئے' اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے۔ ابو رافع کی بی بی سلمٰی نے جو آنحضرت ﷺ یا آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں۔ دایہ گیری کی خدمت انجام دی۔ ابو رافع نے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ ﷺ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا' آپ ﷺ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیمؑ کے نام پر نام رکھا' دودھ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی لیکن آپ ﷺ نے ان کو ام بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہیں۔ یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں' لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابو سیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں' ام سیف حوالی مدینہ میں رہتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ فرط محبت سے وہاں جاتے۔ حضرت ابراہیمؑ کو گود میں لیتے اور چومتے' ام سیف کے شوہر لوہار تھے۔ اس لیئے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ باوجود نظافت طبع گوارا فرماتے۔

ابراہیمؑ نے ام سیف ہی کے یہاں انتقال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خبر ہوئی تو عبدالرحمنؓ بن عوف کے ساتھ تشریف لائے، نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے فرمایا۔ یہ رحمت ہے۔

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیمؑ نے وفات پائی۔ سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ عثمانؓ بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر میں فضل بن عباسؓ اور اسامہؓ نے اتارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی۔

ابو داؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی، ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اس روایت کی بنا پر ۹ھ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات کی۔ اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی۔ بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ابراہیمؑ ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہراتؓ کی تعداد نو تک پہنچی تھی' ان میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں باہم رشک اور منافست بھی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ہمیشہ فقر وفاقہ سے بسر کرتے تھے' ان کی خورو پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا' اس لیئے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا' ان تمام حالات کے ساتھ آپ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی' حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کو بے انتہاء محبت تھی' جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ریعان شباب اوران کا بڑھاپا تھا' تاہم آپ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی' وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو جوش محبت سے بےتاب ہو جاتے تھے (تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ ازواج مطہرات میں سب سے محبوب تر تھیں' لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں' حسن صورت میں حضرت صفیہؓ ان سے بڑھ کر تھیں اور کم سن بھی تھیں دیگر ظاہری محاسن میں بھی دیگر ازواج ان سے کم نہ تھیں' لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت' ذہانت' قوت اجتہاد' دقت نظر اور وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔

ایک دفعہ چند ازواج مطہراتؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کو سفیر بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جناب سیدہؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا' اجازت ملی تو سامنے آئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جان پدر! کیا تم اس کو نہیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں۔ جناب سیدہؓ کے لیئے اتنا کافی تھا' واپس جا کر ازواج مطہراتؓ سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت کے لیئے حضرت زینبؓ انتخاب کی گئیں' کیونکہ ازواج

میں سے حضرت زینبؓ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا اس لیئے وہی اس خدمت کے لیئے زیادہ موزوں تھیں۔ انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں، اور اس زور شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ ہو ابوبکرؓ کی بیٹی ہے۔(۱)۔

(۱)۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ دونوں فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرشان کی تھی، جیسا کہ عام طور پر سوکنیں باہم خانگی جھگڑوں میں کرتی ہیں لیکن یہ کم نظری ہے حضرت عائشہؓ نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت دلیلیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہو سکتا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے، مال، نسب، حسن، دینداری، سو تم دیندار عورت (۱)۔ تلاش کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا اس لیئے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں، جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی۔ ازواج مطہراتؓ کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا، وہ خلوت وجلوت کی شریک صحبت تھیں اس لیئے مذہبی احکام و مسائل کے علم واطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے اور نکات شریعت کی تہہ تک پہنچنے کی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تمتع اٹھا سکتا تھا، حضرت عائشہ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھیں اس لیئے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھا سکیں کہ بڑے بڑے نازک اور

دقیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھیں اور انصاف بالائے طاعت است اکثر مسئلوں میں ان کوفہم ووقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ ﷺ تمام ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں جو پاس پاس تھے' تشریف لے جاتے ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے' جب ان کا گھر آجاتا' جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ زرقانی نے حضرت ام سلمہؓ کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتداء حضرت ام سلمہؓ سے ہوتی تھی بعض روایتوں میں ہے جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہراتؓ آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج مطہراتؓ میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا' لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت اٹھاتی تھیں' آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلا دی تھی اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہوسکتا ہے جس میں جناب عائشہ کو منافقین نے متہم کیا تھا' اس سے بڑھ کر حریفوں کے لیئے انتقام کا کیا موقع مل سکتا تھا لیکن باوجود اس کے غیر متعلق لوگ تہمت لگانے میں آلودہ ہو گئے تھے۔ تاہم ازواج مطہراتؓ کا دامن صاف رہا۔ حضرت عائشہؓ کی حریف حضرت زینبؓ تھیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے۔ حضرت عائشہؓ جب واقعہ افک کا ذکر کرتی تھیں تو ہمیشہ حضرت زینبؓ کی پاک باطنی کی شکرگزاری ظاہر کرتی تھیں۔ چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔

---

(۱)۔ کتاب النکاح بخاری شریف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح ازواج مطہراتؓ کی خاطر داری فرماتے

اوران کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ ازواج مطہراتؓ سفر میں تھیں۔ ساربان اونٹ کو تیز ہانکنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ دیکھنا یہ آبگینے (شیشے) ہیں۔

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ ﷺ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے چن چن کر یکجا کیئے اور ان کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔ (۱)۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برہم ہو کر بلند آواز باتیں کر رہی تھیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور حضرت عائشہ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ سے چلا کر بولتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیچ میں آ گئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیوں؟ کس طرح تم کو بچالیا۔ چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے کہ مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجئے۔ جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور ہاں۔ (۲)۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ تو مجھ سے جب ناراض ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں، بولیں کیونکر؟ ارشاد ہوا۔ جب تو خوش رہتی ہے اور کسی بات پر قسم کھاتی ہوتی تو یوں قسم کھاتی ہے۔ محمد ﷺ کے خدا کی قسم! اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے، ابراہیم کے خدا کی قسم! حضرت عائشہؓ نے کہا ہاں

یارسول اللہ میں صرف آپ ﷺ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ (۳)۔

حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ اتفاقاً آ جاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں' آپ ﷺ ان کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ (۴)۔

حبشی ایک چھوٹا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملکہ میں پٹہ ہلاتے ہیں۔ حبشی اس سے کھیلتے ہیں۔ ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کھڑے ہو گئے' حضرت عائشہؓ دوش مبارک پر رخسار رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں ابھی تم سیر نہیں ہوئیں۔ بولیں نہیں۔ آپ ﷺ چپ رہے۔ یہاں تک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے' گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے' آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی تھے آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ (۵)۔ عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے' حضرت سلیمانؑ نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں ان کی نماز قضاء ہو گئی تھی۔ پر کٹوا دیے۔ اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہے حضرت عائشہؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

---

(۱)۔ بخاری میں یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل میں ہے لیکن ازواج کے نام نہیں نسائی میں نام کی تصریح ہے لیکن روایت میں کسی قدر اختلاف ہے۔ (۲)۔ ابو دائود کتاب الادب ماجاء فی المزاح۔ (۳)۔ صحیح مسلم۔ (۴)۔ ایضاً۔ (۵)۔ ابودائود کتاب الادب۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آؤ تیز قدمی میں مقابلہ کریں۔ حضرت عائشہؓ اس وقت تک دبلی پتلی تھیں۔ آگے نکل گئیں' جب سن زیادہ ہوا اور

پرانداہم ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی۔ اب کے وہ پیچھے رہ گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس دن کا جواب ہے۔(۱)۔

ازواج مطہراتؓ اور اہل وعیال کی سادہ زندگی ::

انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے زخارف دینوی کو کلیتہً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا بالخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبانہ زندگی بسر کی۔ انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑوں سے الگ رکھا ہے۔ دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے آپ ﷺ کے ۹ بیبیاں تھیں جن میں بعض نازونعمت میں پلی تھیں۔ اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لیئے ان کا قدرتی میلان غذاہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہوسکتا تھا' متعدد صغیرالسن بچے تھے جن کو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کرسکتی تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا۔ اعزہ اولاد اور ازواج مطہراتؓ کے ساتھ سخت محبت تھی' آپ ﷺ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کردیا تھا' اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دینوی کا خوگر نہیں بنایا' بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک کی' اس بنا پر آپ ﷺ کے تمام خاندان کی زندگی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں' لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی محبت سے کوئی دینوی فائدہ نہیں اٹھایا ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہوجاتے تھے'

چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ (۲) ۔ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کیلئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامی کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے پاس آئے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ (۳)۔

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقہ اظہار محبت کے خلاف ان کو آرائش و زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے، بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ (۴)۔

---

(۱)۔ ابوداؤد۔ (۲)۔ ابوداؤد۔ (۳)۔ ایضاً۔ (۴)۔ نسائی کتاب الزینتہ۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ ﷺ نے حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دینوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے، بچے آپ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف دنیا سے آلودہ ہوں۔ اس کے بدلے فاطمہؓ کے لیئے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لاؤ۔ (۱)۔

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ آپ ﷺ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ازواج مطہراتؓ نے جب اچھے کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے ان سے ایلا کرلیا۔ تمام ازواج میں آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں، لیکن یہ محبت رنگین لباسوں اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ تمام بیبیوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہؓ کا تھا چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:

ما کانت لا حدانا الاثوب واحد (بخاری لج صفحہ ۴۵)

ہم تمام بیبیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دینوی آرائش کے سروسامان نظر آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو منع فرماتے ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے کنگن (سکہ) پہنے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر ورس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا (تمام اہل وعیال و خانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پرتکلف و ریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال نہ کریں۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہننے سے پرہیز کرو۔)

انتظام خانگی ::

اگرچہ ازواج مطہراتؓ کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے تاہم آپ ﷺ کو خود بہ نفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ ﷺ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی کار خیر میں صرف نہ ہو جاتا، لیکن ازواج مطہراتؓ اور

مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلالؓ کے متعلق تھا۔ابو داؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانہ وفات تک میرے ہاتھ میں تھا' معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا' میں جا کر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا۔ (۲)۔

اہل وعیال کے مصارف کا انتظام ::

ازواج مطہراتؓ کیلئے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کیلئے کافی ہوتا۔(۳)۔ خیبر فتح ہوا تو ازواج کیلئے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا۔وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے۔حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں پیداوار کے بدلے میں زمین لے لی۔(۴)۔

---

(۱)۔ نسائی کتاب الزینتہ۔ (۲)۔ جلد دوم باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین۔ (۳)۔ بخاری صفحہ ۸۰۶ (٤)۔ بخاری کتاب المزارعہ جلد اول صفحہ ۳۱۳

---------اختتام---------جلد دوئم------